جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

L-7878

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

اکتوبر ۱۹۹۳ء

ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

ماهنامه

انوار مدینہ

جلد : ۲ | ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ ـ اکتوبر ۱۹۹۳ء | شمارہ : ۱

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ۔ ۔ ۔ ۔ سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب متحدہ عرب امارات ۔ ۔ ۔ ۔ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے آپ کی مُدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے۔ آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطے کے لیے دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۲۰۵۳۸۸

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ——————— ۳
سیرۃِ مبارکہ ——— حضرت اقدس مولانا سید محمد میاںؒ ——— ۶
درسِ قرآن ——— حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ ——— ۱۳
درسِ حدیث ——— حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ ——— ۲۱
پاکستان میں قیامِ امن کا مسئلہ ——— ڈاکٹر محمود الحسن عارف ——— ۲۴
بُرا نہ مانیے گا (نظم) ——— سید امین گیلانی ——— ۲۸
مزاح اور اصلاح ——— سید امین گیلانی ——— ۲۹
شہر بصرہ کے مایہ ناز تابعی ——— حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ ——— ۳۱
حضرت مولانا معراج الحق قاسمیؒ ——— جناب حافظ تنویر احمد شریفی ——— ۳۵
تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب ——— حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی ——— ۳۹
اسمِ اعظم؟ ——— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم ——— ۴۶
محدثِ کبیر حضرت مولانا سید حامد میاںؒ ——— حکیم نور احمد ——— ۵۱
حاصلِ مطالعہ ——— مولانا نعیم الدین صاحب ——— ۵۴
بزمِ قارئین ——— ۶۳

رابطہ: دفتر کراچی
حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سید محمود میاں

قارئین کرام آج جب ماہنامہ "انوارِ مدینہ" کا شمارہ نمبر ۱ جلد نمبر ۲ آپ کے ہاتھ میں آئے گا، تو یقیناً آپ کی طبیعت میں شادمانی کی لہر دوڑ جائے گی، اور آپ بارگاہ ربّ العزت کے حضور اس انعام پر شکر گزار ہوں گے کہ "انوارِ مدینہ" کے اجراء کو ایک برس پورا ہونے کے بعد دوسرا برس شروع ہو گیا۔ اس عرصہ میں ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر اللہ پاک نے جو پذیرائی بخشی ہے یہ محض اس کا فضل اور قارئین کرام کی نیک دعاؤں کی قبولیت اور پاکیزہ خواہشات کا ثمرہ ہے، لہٰذا بجا طور پر قارئین کرام ہی اس کامرانی پر بہت بہت مبارکباد کے مستحق ہیں، کارکنانِ ادارہ کی طرف سے قارئین کرام مبارکباد قبول فرمائیں اور اس کی اور جامعہ کی دن دونی رات چوگنی ترقّی کے لیے ہمہ وقت اللہ بزرگ و برتر کے حضور دست بدعا ہیں۔

یہی وہ دَر ہے مرادِ دل کی جہاں سے پائی اگر تو سمجھے

○

گزشتہ ماہ ۵ ستمبر کے روزنامہ جنگ میں یہ خبر شائع ہوئی "امریکن ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی کو پاکستان میں مبینہ ڈرگ مافیا کے خلاف کارروائی کرنے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی مبینہ اجازت ملنے کے بعد صوبہ سرحد میں ڈرگ مافیا کے تمام ارکان زیرِ زمین چلے گئے ہیں۔ امریکہ نے جن مبینہ

۱۶ ارکان کو امریکہ کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اُن میں سے اکثریت کا تعلق صوبہ سرحد سے بتایا جاتا ہے۔" کسی بھی خود مختار ملک کے باضمیر شہری کے لیے یہ خبر تعجب خیز ہی نہیں بلکہ باعث شرم وملامت بھی ہے کہ اس کے اپنے ملکی باشندوں پر کسی جرم کی پاداش میں قانون اور قوت نافذہ ہونے کے باوجود غیر ملکی اور غیر مسلم ایجنسیوں کو اُن کے دباؤ میں آکر کارروائیوں کی اجازت دی جائے، اگرچہ اس خبر کی سرکاری ذرائع نے بعد میں تردید کی ہے، مگر تردید کا انداز ایسا ڈھیلا ڈھالا تھا کہ جس سے مزید شکوک نے جنم لیا اور یوں لگا کہ جیسے "دال میں کالا کالا ہے۔" اور اگر تردید درست بھی ہو تو اتنی بات تو اظہر من الشمس ہے کہ یہ سب کارروائی امریکہ بہادر کے دباؤ پر اُس کو خوش کرنے کے لیے کی جارہی ہے، امریکہ کو شکایت ہے کہ یہ لوگ منشیات امریکہ اسمگل کرتے ہیں، لہٰذا وہ اُن کے خلاف براہِ راست کارروائی کا حق رکھتا ہے، نہیں تو کم سے کم دھونس کے ذریعہ کارروائی کروانا تو اُس کا خود ساختہ مسلمہ حق ہے ہی۔ بس یہی ایک امریکی فلسفہ تمام کارروائی کی بنیاد ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ منشیات کا امریکہ پہنچانا امریکیوں کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ ہوائی اڈوں اور بندرگاہوں سے گزر کر ہی جاتی ہیں، جہاں سیکورٹی اور کسٹمز کا جدید ترین نظام موجود ہے اس کے باوجود منشیات کا امریکہ پہنچ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ خود امریکی افسران اس عمل میں شریک اور حصہ دار ہیں، اگر امریکہ ان امریکی افسران کے خلاف سخت کارروائی کرے تو ہیروئن کی سمگلنگ خود بخود قابو میں آجائے گی، امریکیوں کا ان کے خلاف کارروائی نہ کرسکنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ امریکی بیوروکریٹس اعلیٰ سطح پر اس دھندے میں شریک ہیں، لہٰذا امریکہ کو چاہیے کہ اپنے ملک کے سمگلروں کے خلاف کارروائی کرکے اپنے گھر کی اصلاح کرے دوسروں کے معاملات کی فکر دوسروں پر ہی چھوڑ دے، اگر پاکستان کے علاوہ کسی اور ملک میں ہیروئن کاشت ہو اور امریکن اس کو وہاں سے اسمگل کرنا شروع کردیں تو لارڈ صاحب کیا کریں گے؟

اصل بات یہ ہے کہ امریکہ کسی نہ کسی بہانے کمزور ملکوں پر اپنی گرفت مضبوط رکھنی چاہتا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ پاکستان امریکہ پر واضح کردے کہ ہیروئن کی ہلاکتوں کا اگر وہ شکار ہے تو اس سے کہیں زیادہ ہم اپنے ملک کے اندر اس کی مصیبت کے مارے ہیں، کیونکہ امریکی معاشرہ تو پہلے

ہی شراب کا رسیا ہے، ہیروئن سے کونسی بڑی ایسی قیامت آجائے گی، جبکہ پاکستان میں عام طور پر شراب نوشی کا تصوّر نہیں ہے، لہٰذا یہاں کی نوجوان نسل کے لیے ہیروئن موت سے کم نہیں ہے۔ لہٰذا حکومتِ پاکستان پاکستانیوں کی خیر خواہی کو مقدم جان کر ان کو تباہی سے بچانے پر توجہ مرکوز کرے، اور حرّیتِ فکر کو ہاتھ سے نہ جانے دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ امریکہ کی فکر کرتے کرتے اپنی قوم کی نوجوان نسل بربادی کا شکار ہو جائے۔

○

اس ماہ کے اوائل میں پاکستان ایک اہم آئینی عمل سے گزرے گا۔ ۶ر اکتوبر کو قومی اسمبلی کے اور اُس کے تین روز بعد ۹ر اکتوبر کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوں گے۔ ملک کی ہر قابلِ ذکر سیاسی جماعت اس غرض کے لیے پورے جوش و خروش سے تیاری میں مصروف ہے رائے دہندگان کو جگہ جگہ جلسوں میں نیز کارنر میٹنگز میں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ ووٹ کا حق پوری ذمّہ داری سے استعمال کریں؛ انتخابات کی اس گہما گہمی میں اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ہماری اپنی قوم سے گزارش ہے کہ وہ اہلِ حق کو ووٹ دے کر کامیاب بنائیں؛ کیونکہ آپ کا ووٹ جہاں ایک امانت اور شہادت ہے، وہیں ایک عظیم قوّت بھی ہے، لہٰذا آپ کی یہ قوّت اہلِ حق اور دیانت دار لوگوں کے ساتھ ہونی چاہیے جو ملک و ملّت دونوں کے وفادار ہوں۔ اسلام دشمن قوّتوں کے حق میں اس کا استعمال اپنی آخرت کو خطرہ میں ڈالنا ہے، جبکہ دنیا میں اس کے نقصانات تو پینتالیس برس سے قوم بھگت رہی ہے۔

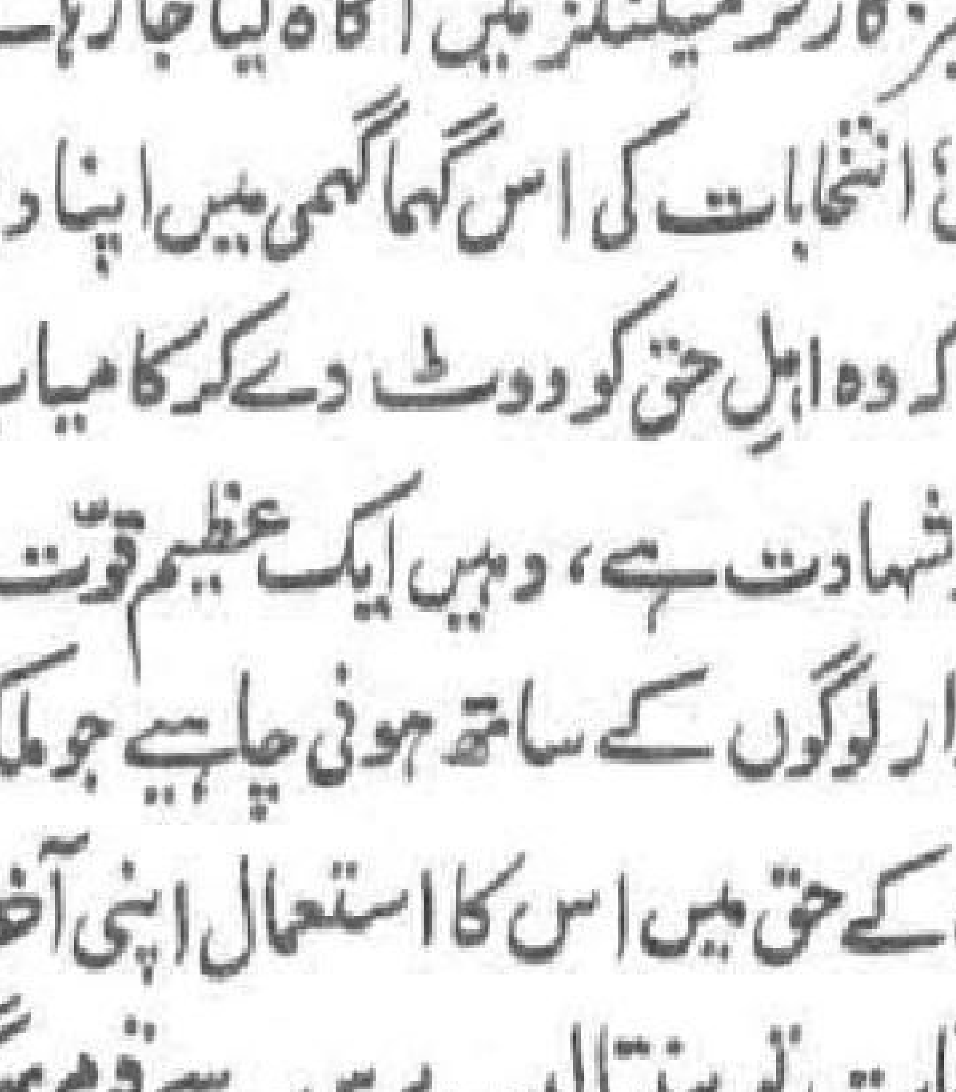

(قسط : ۱۳)

سیرتِ مُبارکہ

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف "سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہوجانے سے اسلام کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اب تک یہ موقع نہیں ملتا تھا کہ مسلمان حرم کعبہ میں نماز پڑھ سکیں، مگر عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو پہلے سردارانِ قریش میں سے ہر ایک کی ڈوڑھی پر پہنچ کر ہر ایک کو آگاہ کیا کہ عمر مسلمان ہوگیا ہے اس کے بعد تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر حرم شریف میں داخل ہوئے اور کھلے بندوں نماز پڑھی، لیکن قریش نے سب کی پوری طرح تواضع کی۔ خصوصاً حضرت عمرِ فاروق ہر ایک کا نشانہ بنے[1] کافی مار پیٹ کے بعد کسی طرح یہ ہنگامہ ختم ہوا، مگر عمر بن الخطاب کا مسلمان ہوجانا ایسا حادثہ نہیں تھا جس پر قریش آسانی سے صبر کر لیتے۔ انہوں نے حضرت عمر کی زندگی دوبھر کر دی۔ حتیٰ کہ وہ بھی مکان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے لیکن عرب کے مشہور اور باہیبت قبیلہ بنی سہم سے اُن کا معاہدہ تھا یہ معاہدہ اس وقت کام آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی روایت ہے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ مکان میں چھپے ہوئے تھے۔ باہر میدان میں اتنا ہجوم تھا کہ پوری وادی آدمیوں سے پٹی ہوئی تھی اور یہ شور تھا کہ عمر بے دین ہوگیا ہے۔ میں مکان کی چھت پر کھڑا ہوا یہ ہنگامہ دیکھ رہا تھا۔ میں پریشان تھا کہ کیا ہوگا۔ دفعۃً ایک صاحب نمودار ہوئے، ریشمی کفوں دار قمیص پہنے ہوئے۔ اُس کے اوپر ریشمی قبا اور شیوخ عرب کے قاعدے کے بموجب ایک بڑھیا چادر اوڑھے ہوئے وہ اندر مکان میں پہنچے۔ والد صاحب سے دریافت کیا۔ کیا واقعہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جرم یہ ہے کہ مسلمان ہوگیا ہوں۔ اس سردار نے کہا ہرگز نہیں۔ یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ میں

[1] ماخوذ از تاریخ الخلفاء جلال الدین السیوطی و البدایہ والنہایہ ص ۲۷ تا ۷۹ ج ۳ والسیرۃ الحلبیہ ص ۳۴۹

آپ کو پناہ دیتا ہوں یہ کہہ کر یہ سردار باہر آیا اور اعلان کر دیا کہ عمر کو میں نے پناہ دے دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جیسے ہی اس سردار نے یہ اعلان کیا وہ تمام مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ میں نے کسی سے پوچھا، یہ صاحب کون ہیں۔ جواب دیا قبیلۂ بنی سہم کا شیخ ورئیس عاص بن وائل سہمی[1]۔

بایں ہمہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کی ڈھارس بندھی اور بقول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہ قوت حاصل ہوئی جو پہلے نہیں تھی[2]۔ ہم کھلے بندوں حرم کعبہ میں پہنچے طواف کیا۔ نماز پڑھی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا، اسلام کی فتح تھی۔ اُن کی ہجرت نصرت اور اُن کی حکومت رحمت[3]۔

شعب ابی طالب میں پناہ
قریش کی طرف سے قومی بائیکاٹ

پے در پے ناکامیوں نے قریش کو اور زیادہ مشتعل کر دیا۔ کُھلم کھلا قتل کرنے میں قبائلی جنگ چھڑ جانے کا خطرہ تھا، لیکن خُفیہ طور پر قتل کرنے میں پہلے ثبوت کی ضرورت تھی جس کا مہیّا کرنا بنو ہاشم کے لیے تقریباً ناممکن تھا، چنانچہ خُفیہ طور پر جانِ جہاں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان لینے کی سازش ہونے لگی۔ خواجہ ابوطالب کے چوکنے دماغ نے اس کو بھانپا۔ اُنہیں صرف محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق ہی نہیں بلکہ خاندانِ ہاشم کے اور لوگوں کے متعلق بھی خطرہ ہُوا، مثلاً خواجہ ابوطالب کے بڑے صاحبزادے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اگرچہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، لیکن چھوٹے صاحبزادے "علی" یہیں تھے جو ہر دم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ خواجہ ابوطالب نے خاندان کے لوگوں سے مشورہ کیا اور طے یہ کیا کہ شہر کے خطرناک ماحول سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر

---

[1] بخاری شریف ص ۵۴۵۔ [2] بخاری شریف ص ۵۲۰۔ [3] البدایہ والنہایہ ص ۷۹ ج ۳۔

پناہ لی جائے۔

پہاڑیوں کے بیچ میں ایک مقام "خیف بنی کنانہ" تھا۔ یہ بنو ہاشم کا موروثی رقبہ تھا۔ طے یہ ہُوا کہ وہاں جاکر قیام کیا جائے، چنانچہ پُورا خاندان (جس کے بہت سے افراد ابھی مُسلمان بھی نہیں ہُوئے تھے) اس مقام پر چلا گیا جس کا دوسرا نام شعب ابی طالب تھا۔ صرف ابولہب اور اُس کا گھرانا مکّہ میں رہ گیا، جو اپنے خاندان کے خلاف قریش کا سرگرم حامی تھا۔ ابوطالب یہاں پہنچ کر بھی اپنے بھتیجے کی نگرانی راتوں کو کیا کرتے تھے، اُن کے سونے کی جگہ بھی بدلتے رہتے تھے۔

قریش کے سرداروں نے اس کا جواب یہ دیا کہ تمام مخالف گروپوں کو مِلا کر اُن سب کا مقاطعہ کر دیا جو خواجہ ابوطالب کے ساتھ اس گھاٹی میں پناہ گزیں ہُوئے تھے۔ قریش کے ساتھ قبیلہ بنی کنانہ بھی اس معاہدہ میں شریک ہُوا[1]۔ مقاطعہ صرف رشتے ناتے کا نہیں تھا، بلکہ کھانے پینے کی چیزیں بھی بند کر دیں۔ ایک عہدنامہ لکھا گیا کہ اُن کے ساتھ نہ نکاح بیاہ کیا جائے گا نہ خرید و فروخت اور کوشش کی جائے گی کہ مکّہ سے باہر بھی کہیں سے یہ لوگ کچھ نہ خرید سکیں۔ بیوپاریوں کو کو آمادہ کیا گیا کہ مکّہ کے راستوں کی نگرانی رکھیں اور باہر سے آنے والی جنس کو مکّہ میں پہنچنے سے پہلے ہی خرید لیا کریں۔

سردارانِ قریش کے اس معاہدہ پر دستخط ہُوئے اور یہ عہدنامہ قومی حفاظت خانہ (خانہ کعبہ کے خزانہ) میں محفوظ کر دیا گیا[2]۔

نبوّت کے ساتویں سال۔ محرم کی پہلی تاریخ سے یہ مقاطعہ شروع ہُوا تھا[3] جو تقریباً تین سال تک رہا۔ اس عرصہ میں درختوں کے پتّے اور جڑیں کھا کر زندگی گزارنی پڑی۔ بچّے بلبلاتے تھے، مگر اُن کو دُودھ میسّر نہیں آتا تھا، بکریاں ختم ہوگئی تھیں اور پے در پے فاقوں سے ماؤں کے دُودھ خشک ہوگئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما جیسے رفقاء اگرچہ بنو ہاشم نہیں تھے، مگر وہ اُن کے ساتھ تھے تو مقاطعہ ان سے بھی اتنا ہی سخت تھا[4]۔

---

[1] بخاری شریف ص: ۲۰۰ [2] البدایہ والنہایہ بحوالہ موسٰی بن عقبہ عن الزہری ص: ۳۸۴۔ ج: ۳۔

[3] ابن سعد ص: ۱۴۰۔ ج: ۱ [4] سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ ازالۃ الخفاء ص: ۱۰ ج: ۲

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا چمڑا ہاتھ آگیا میں نے اُس کو پانی سے دھویا۔ پھر آگ پر بھونا اور پانی ملا کر کھایا۔[1]

مکہ جو رشتہ دار تھے اُن میں وہ بھی تھے جن کو اس حالت میں ترس آتا تھا، مگر پابندیاں ایسی سخت تھیں کہ کوئی کچھ امداد نہیں کر سکتا تھا۔

اس معاہدہ کی کوئی مدت نہیں تھی۔ اس کی انتہا یہ تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے حوالہ کر دیں۔[2]

تین سال پورے ہونے لگے تو یک طرفہ متواتر ظلم وستم نے کچھ اہلِ قرابت کے دلوں میں نرمی پیدا کی اور یہ بحث شروع ہوئی کہ معاہدہ کی پابندی کب تک کی جائے، لیکن پلّہ اُن کا بھاری تھا جن کے سینوں میں دلوں کی جگہ پتھر بھرے ہوئے تھے۔ دفعتہً ایک قدرتی حل سامنے آگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا ابوطالب کو خبر دی کہ کیڑوں نے معاہدہ کے تمام حرف چاٹ لیے ہیں۔ صرف اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔ خواجہ ابوطالب نے یہ الہامی خبر سُنی تو قریش کے سرداروں کے پاس پہنچے کہ آج ہمارا تمہارا معاملہ طے ہے۔ محمدؐ نے یہ خبر دی ہے اگر یہ خبر جھوٹی ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں اور اگر سچی ہے تو جب معاہدہ ہی نہیں رہا تو اس کی پابندی کیسی۔

سردارانِ قریش نے یہ فیصلہ منظور کیا۔ ان کو یقین تھا کہ جیت ہماری ہوگی، مگر جب خزانہ کھول کر دستاویز نکالی گئی تو دیکھا "الصادق الامین" کی خبر حرف بحرف صحیح ہے۔ سنگدلوں کے پیشواؤں نے پھر بھی یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ یہ محمدؐ کا جادو ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اب وہ اپنے اصرار میں کامیاب نہ ہو سکے اور مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ معاہدہ ختم ہو گیا۔ اس قدرتی کرشمہ کے بعد ایسی فضا ہو گئی کہ بنوہاشم شعب سے نکل کر مکہ میں آگئے۔[3]

ایسے سخت امتحان میں روحانی ترقی کہاں تک ہو سکتی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، چنانچہ اسی زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ معراج میں پنج وقتہ

---

[1] روض الانف۔ بحوالہ سیرۃ النبیؐ ج ۱ [2] موسیٰ بن عقبہ بحوالہ زہری۔ البدایہ والنہایہ ص ۸۴ ج ۳ [3] البدایہ والنہایہ ص ۹۶ ج ۲

نمازیں فرض ہوئیں۔ نماز کے آخر میں التحیات پڑھی جاتی ہے جس میں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگوں پر جو اس امتحان میں کامیاب ہوئے تھے بلکہ اُن کے طفیل میں تمام عباد صالحین پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ السّلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّالحین۔

پناہ کی دیواریں منہدم

قریش کا مقاطعہ جو بعثت مُبارکہ کے ساتویں سال شروع ہوا تھا تین سال بعد (سنہ ۱۰ بعثت مبارکہ میں) ختم ہوا۔ چند ماہ بعد رمضان کا مہینہ آیا۔ اس مہینہ میں چند روز کے فرق سے خواجہ ابوطالب اور سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی وفات ہوگئی۔ سیّدہ خدیجہ وہ خاتون تھیں جو سب سے پہلے ایمان لائیں اور ابوطالب وہ شیخ قبیلہ تھے جو آخر تک ایمان نہیں لائے اور یہ اعلان کرتے ہُوئے مرے کہ میں نے اپنے باپ دادا کا مذہب نہیں چھوڑا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں جاں نثار تھے۔

پناہ کی یہ دونوں دیواریں منہدم ہوگئیں، تو اَب دُشمنوں کا راستہ صاف تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اور ابولہب جو بدترین موذی دُشمن تھے، اور دونوں پڑوسی تھے[۱] اُن کا طریقہ یہ تھا کہ راستہ میں کانٹے بچھوا دیتے۔ دروازہ میں غلاظت کا بھرا ہُوا ٹوکرا ڈلوا دیتے تھے۔ اُن کے چھوٹے ان سے بھی آگے تھے۔ وہ کاشانۂ نبوی میں گھس کر برتنوں کو خراب کرتے، پکتی ہوئی ہنڈیا کو اوندھی کردیتے یا اس میں پلیدی ڈال دیتے تھے[۲]

خدا جانے کتنی مرتبہ ایسا ہُوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے۔ سرِمُبارک اور کپڑے گرد وغبار اور پلیدی سے آلودہ۔ صاحبزادیاں یہ حالت دیکھ کر دلگیر ہورہی ہیں، کپڑے دھو رہی ہیں، سرِمبارک صاف کررہی ہیں۔ زبان سے بددُعا دیتی ہیں تو ارشاد ہوتا ہے۔ لا تبکی یا بُنیّۃ فانّ اللہ مانع اباک[۳] (بیٹی دلگیر نہ ہو اللہ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔)

پناہ کی تلاش

نبی کا بھروسا خُدا پر ہوتا ہے اور شروع میں جب یہ حُکم نازل ہُوا تھا کہ "اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوتِ اسلام دو"[۴] تو ساتھ ہی حضرتِ حق جل مجدہٗ نے یہ ہدایت بھی فرمائی تھی۔

۱؎ ابن سعد ص ۱۳۲ ج ۱ ۲؎ البدایہ والنہایہ ص ۱۲۲ ج ۳ ۳؎ ایضاً ۴؎ سورہ ۲۶ شعراء آیت ۲۱۴۔

بھروسہ کرو خدا، قادر و رحیم پر جو تم کو دیکھتا رہتا ہے جب تم
کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں کے ساتھ تمہاری نشست و برخاست
کو وہ دیکھتا رہتا ہے۔[1]

مگر چونکہ نبی کی زندگی کا ہر ورق اُمّت کے لیے سبق ہوتا ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ پر مکمل اور کامل بھروسہ کے باوجود ظاہری ذرائع اور اسباب سے دامن نہیں جھٹکتا، کیونکہ اگر سلسلہ اسباب کو چھوڑ دیا جائے تو اس عالمِ اسباب کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا بہرحال جب خواجہ ابوطالب کی وفات کے بعد قریش کو موقع مل گیا کہ جو کچھ وہ اب تک نہیں کر سکتے تھے اس کو کر گزریں تو آپ کو بھی ایسے ذریعہ کی تلاش ہُوئی جو قانونِ عرب کے بموجب آپ کے لیے پناہ بن سکے۔

مگر مُٹھی بھر مُسلمانوں یا آلِ ہاشم کے علاوہ مکّہ کا بچّہ بچّہ دُشمن تھا اور کوئی ہمدرد بھی تھا تو کس کی ہمت تھی کہ قریش کے مقابلہ میں آپ کی ڈھال بن سکے۔ لہٰذا آپ نے مکّہ سے باہر نظر دوڑائی۔

طائف کا سفر

طائف مکّہ سے تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز پہاڑ ہے۔ نہایت زرخیز وہاں بڑے بڑے باغات اب بھی ہیں اور اس وقت بھی تھے۔ مکّہ کے رئیسوں کی وہاں کوٹھیاں تھیں۔ قبیلۂ ثقیف کا وہاں تسلّط تھا۔ وہ عرب کا طاقتور قبیلہ مانا جاتا تھا۔ قریش بھی اس کا لوہا مانتے تھے۔ اس قبیلہ سے اُن کی رشتہ داریاں بھی تھیں۔

رؤسا طائف اور اُن کے جواب تین بھائی عبدیالیل[1]، مسعود[2] اور حبیب[3] یہاں کے رئیس اعظم اور قبیلۂ ثقیف کے سردار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اُن پر پڑی کہ اگر وہ پناہ میں لے لیں تو آپ کو فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں آسانی ہو، چنانچہ آپ رمضان گزرنے کے بعد ماہ شوال میں طائف تشریف[2] لے گئے۔ دس روز

---

[1] سورۃ ۲۶ شعراء آیت ۲۱۷، ۲۱۸۔

[2] یہ سفر بظاہر پا پیادہ ہُوا کسی سواری کا کوئی تذکرہ روایتوں میں نہیں ملتا۔ محمّد میاں

وہاں قیام فرمایا[۱] عوام و خواص اور ہر ایک کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی۔ رؤسا اور معززین کے مکانوں پر پہنچ کر گفتگو کی[۲] ان تینوں بھائیوں سے بھی ملاقات کی۔ اپنا مقصد واضح کیا، مگر کسی ایک نے بھی انسانیت سے جواب نہیں دیا۔

ایک نے کہا اگر خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے تو وہ خانہ کعبہ کے کپڑے کھسوٹ رہا ہے (اس کی عزت پامال کر رہا ہے۔)

دوسرے نے کہا۔ اللہ کو آپ کے سوا اور نہیں ملا تھا جس کو رسول بنا کر بھیجتا۔

تیسرے نے کہا۔ واللہ میں تم سے بات نہیں کروں گا، کیونکہ جیسا تمہارا دعویٰ ہے، اگر واقعی تم خدا کے رسول ہو تو رسول کی شان یہ نہیں ہے کہ اس سے بحث کی جائے اور اگر تم خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو تو میری شان یہ نہیں ہے کہ میں جھوٹے سے بات کروں[۳]

ان لوگوں کے بھونڈے جواب سن کر آپ نے فرمایا کہ اتنی مہربانی کرو کہ میرے آنے کی خبر کسی کو نہ دو۔ آپ کو خیال ہوا کہ مکہ والوں کو میرے آنے اور ان کے جوابوں کی خبر ہوگی تو وہ اپنی حرکتوں میں اور دلیر ہو جائیں گے، مگر ان بدنصیبوں نے اس فرمائش کی تعمیل اس طرح کی کہ طائف کے آوارہ گردوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ آپ کے پیچھے پڑ گئے اور گستاخیاں کرنے لگے اور جب کسی طرح اُن سے جان چھڑا کر آگے بڑھے تو طائف کے لوگوں نے جو دونوں طرف صف بنائے کھڑے تھے، ذاتِ اقدس پر دونوں طرف سے پتھر برسانے شروع کر دیے، سنگباری سے پنڈلیاں مجروح ہوگئیں۔ گھٹنے چور ہو گئے۔ بدن مبارک لہولہان ہو گیا۔ ایک جاں نثار حضرت زید بن حارثہؓ ساتھ تھے۔ وہ کبھی آگے کبھی پیچھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر تنہا کیا کر سکتے تھے۔ پتھروں سے اُن کا سر بھی پھٹ گیا[۴]۔ بالآخر کسی طرح آبادی سے باہر نکلے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ زید بن حارثہؓ نے اٹھایا۔ قریب ہی کچھ پانی تھا وہاں لے گئے تاکہ خون کے دھبے دھو دیں۔ نعلِ مبارک اتارنے چاہے تو خون سے اس طرح جم گئے تھے کہ اتارنا مشکل پڑا۔ طبیعت سنبھلی تو قریب کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے معبود کی بارگاہ میں مشغولِ دعا ہو گئے[۵]

---

[۱] ابن سعد ص: ۱۴۲ ج: ۱ [۲] ایضاً [۳] البدایہ والنہایہ ص: ۱۳۵ ج: ۳

[۴] طبقات ابن سعد ص: ۱۴۲ ج: ۱ [۵] البدایہ والنہایہ ص: ۱۳۶ ج ۳۔

(قسط: ۶)

درسِ قرآن حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند نے سنہ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشاء کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی۔ آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہما اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچادیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔

نظامِ عالم میں بے برکتی کیوں ہوتی ہے؟

اب جو بے برکتی پیدا ہوتی ہے (تو اس کی وجہ یہ ہے) کہ جہاں انسان کا دخل آگیا ہے (اسے حکم تو دیا گیا تھا) کہ تو ہمارے نمونہ پر چل، وہ اپنی حرص و ہوا سے کہیں اپنا ذاتی اقتدار چاہتا ہے تو اللہ کے اقتدار کو بھول کر اپنا ذاتی اقتدار قائم کرتا ہے۔ اس کی طاقت کو فراموش کر کے اپنی طاقت پر غرّہ کرتا ہے جب وہ اپنی طاقت پر غرّہ کرے گا، دعوٰی کرے گا۔ دوسرے اُس کے مخالف بنیں گے تو ملک میں بدنظمی پھیلے گی۔ اگر وہ اپنی جاہ چاہے گا تو ہر انسان جاہ پرست ہے، وہ بھی جاہ کی طرف چلے گا۔ اگر دو نگاہیں ... جمع ہوں گی تو وہ ٹکرائیں گی۔ ایک دوسرے کو گرانا چاہے گا وہیں سے فتنہ و فساد پھیلے گا، تو جہاں پر حق تعالیٰ کی تکوینی حکومت ہے اُس میں کوئی بدنظمی نہیں، ہر چیز اپنے محور پر چل رہی ہے اور جہاں تکمیلی چیز آئی جس میں انسان کو واسطہ بنایا تو اگر

انسان درست ہے ، پاکیزہ ، تب تو اللہ کے نظام کو چلائیں گے ۔ جیسے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام (ہیں) کہ ذرّہ برابر اُن کے دلوں میں اپنی ذات کا اقتدار نہیں ہوتا حالانکہ اللہ نے اُنہیں سب سے زیادہ با اقتدار بنایا ہے اپنی ذات کے بارے میں انبیاء کو جاہ پسندی کا خطرہ بھی لاحق نہیں ہوتا ۔ اسی طرح سے جو انبیاء کے بلاواسطہ متبعین ہیں صحابۂ کرام رضؓ وہ بھی اسی انداز پر اللہ کی حکومت کو چلاتے ہیں کہ ان میں نہ جاہ پسندی ہے ، نہ مال پسندی ہے نہ محبّت مال کی ، نہ محبّت جاہ کی ، فقط جاہ ہے تو اللہ کی سامنے ہے ، ملک ہے تو اللہ کا سامنے ہے ، اپنے کو خادم کی حیثیت سے رکھتے ہیں ۔ اُن کے دل میں قطعاً نفسانیت کے وسوسے نہیں ہوتے کہ ہم کوئی چیز ہیں ۔

حضرت عمرؓ کا تنہائی میں اپنے آپ کو خطاب کرنا

حضرت عمر رضؓ کے بارے میں ہے کہ تنہائی میں ایک دفعہ بیٹھے ہوئے تھے ۔ یہ بھی نہیں کہ کوئی سامنے ہو کہ دکھلانے کو کہہ رہے ہوں ۔ تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔ حیرت سے بیٹھے ہوئے ہیں اپنے کو خطاب کر کے بَخٍ بَخٍ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَصْبَحْتَ امیر المؤمنین حیرت ہے اے عمر تو امیر المومنین تیری بھی یہ قابلیّت ہے کہ تو خلیفہ بنایا جائے (امیر المؤمنین بنایا جائے) ________

اس درجہ بے نفسی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر حیرت میں ہیں کہ مجھے کس طرح خلیفہ بنا دیا ۔ مجھ میں تو یہ لیاقت نہیں تھی ۔ تو ان لوگوں کے قلوب اتنے پاک اور صاف ہیں کہ سلطنت اتنی بڑی کہ سلاطینِ عالم کانپتے ہیں حضرت عمرؓ کا نام لے کر ، اور خود حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھو تو اُن کے دل میں خطرہ بھی نہیں کہ مَیں کوئی چیز ہوں ۔ حیرت سے خود ہی کہہ رہے ہیں کہ تو امیر المومنین ۔

حضرت ابو بکرؓ کے تزکیۂ قلب کا عالَم

صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہیں اور خلیفۂ رسول ہیں بلاواسطہ ۔ لیکن قلب کی صفائی اور تزکیہ کا یہ عالم ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی زبان باہر نکال کر ایک ہاتھ سے پکڑ کر اور دوسرے ہاتھ سے اسے لکڑیاں مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ۔ ھٰذَا اَوْرَدَنِی الْمَوَارِدْ ۔ یہ زبان ہے جس نے مجھے مصیبتوں میں مُبتلا کیا ہے ۔ مصائب میں پھینکا ، اور ہلاکتوں میں ڈالا خدا جانے میری زبان کیا بکواس کرتی ہو ۔ کیا چیزیں کہتی ہو ۔ میرے عمل نہ کہیں ضائع ہو جائیں ۔ اس درجہ بے نفسی کا عالم ہے کہ زبان پہ اعتماد نہیں کہ کوئی کلمہ خلافِ شرع نہ نکل جائے ، کوئی جھوٹ نہ نکل جائے ، تو

حضرت علیؓ کا اپنی قمیص کاٹنا

حضرت علیؓ ایک دن مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس دن کچھ ذرا سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کپڑا کوئی کمخواب کا نہیں تھا، کوئی اعلیٰ نہیں تھا، یہی معمولی زمینداروں کے کپڑے۔ بیٹھے بیٹھے ایک دم گھبرا کر فرمایا کہ قینچی لے کر آؤ۔ قینچی لائی گئی تو ایک آستین یہاں سے کاٹ دی۔ اور ایک یہاں سے کاٹ دی ________ بدہیئت بنا دیا کُرتے کو۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ عرض کیا کہ امیر المؤمنین ایک اچھے خاصے کرتے کو آپ نے خراب کر دیا۔ بدہیئت بنا دیا۔ اگر آستین برابر برابر کاٹ دیتے تو چلو نیم آستین ہی کا کُرتا ہو جاتا ایک ہیئت تو رہتی۔ ایک کو تو مونڈھے پہ سے کاٹ دیا، ایک کو آدھے سے کاٹ دیا۔ فائدہ کیا ہوا۔ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کپڑا پہن کر اترانے لگتا ہے تو غضبِ خداوندی اس پر اترتا ہے اور منڈلانے لگتا ہے۔ اگر توبہ نہ کی تو غضب آپڑتا ہے تو بہ کی تو غضب واپس ہو جاتا ہے تو یہ کپڑا پہن کر میرے دل میں وسوسہ گزرا اتراہٹ کا کہ میں بھی کوئی چیز ہوں۔ میں نے دیکھا کہ غضبِ الٰہی آرہا ہے اُوپر اس لیے میں نے گھبرا کر قینچی منگوائی بدہیئت بنایا جس سے میرے قلب کا وسوسہ دُور ہو گیا اور غضبِ خداوندی اُوپر واپس ہو گیا تو جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو کہ اپنے نفس کے بارے میں اُنہیں خطرہ بھی نہ گزرے کہ ہم کوئی چیز ہیں۔ وہ تو اللہ ہی کی حکومت چلائیں گے، اپنی حکومت نہیں چلائیں گے۔ نہ جاہ کے خطرات ہوں نہ مال کی محبّت ہو۔

حضرت علیؓ نے ایک دفعہ مال و دولت کو دیکھ کر فرمایا

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن خزانے میں تشریف لے گئے تو ڈھیر لگے ہوئے تھے سونے اور چاندی کے خراج کی رقمیں اور فئے کی رقمیں اور جزیہ کی رقمیں بھری ہوئی تھیں تو دیکھ کر فرمایا یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ اے دُنیا! دھوکہ میں کسی اور کو ڈالنا، ہم تیرے دھوکے میں آنے والے نہیں ہم رِیجھنے والے نہیں ہیں اور یہ کہہ کر حکم دیا کہ تقسیم شروع کرو غربا میں صُبح سے شام تک پورا خزانہ خالی ہو گیا اور یہ کہہ کر واپس ہو گئے یَا دُنْیَا غُرِّیْ غَیْرِیْ دھوکا کسی اور کو دینا اے دُنیا ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں نہ ہم اتراہٹ میں آنے والے ہیں نہ کبر و رعونت میں تو جن لوگوں کے قلوب اتنے صاف تھے کہ نہ محبّتِ مال کا نشان، نہ محبّت جاہ کا نشان، وہی اہل اور احق تھے کہ اللہ کے نائب بنیں اور اُس کی حکومت کو چلائیں۔ تو جہاں تکمیلی

حکومت ہے یعنی انسانوں کے واسطے سے حکومت ہے۔ اگر ایسے انسان ہوں تو وہ حکومت پاکباز ہے۔ اس حکومت میں امن ہے، امان ہے، برکات ہیں، خیر ہے، ساری چیزیں ہیں، لیکن اگر دوسری قسم کے انسان آجائیں جو اللہ کے اقتدار کو چھوڑ کر اپنا ذاتی اقتدار چاہیں۔ بجائے بندگی کرنے کے خُدائی شروع کر دیں، مال کی محبّت میں غرق ہوں اور خود غرضی کی وجہ سے مال بٹورنے کی فکر میں ہوں تو رعایا کا ناس ہوگا۔ ظاہر ہے مُلک کے اندر بدنظمی پیدا ہوگی، تو یہ بدنظمی اللہ کی حکومت میں نہیں ہے۔ اس نے اپنی حکومت میں جب واسطہ بنایا انسان کو تو اس انسان نے بدنظمی پھیلائی۔ جب تک کہ وہ انسان رہے کہ جو غیر محبِ جاہ اور غیر محبِ مال تھے جنھوں نے خالص اللہ کی حکومت پرکاٹی دُنیا میں، اور جب ایسے آگئے جن کے قلوب صاف نہیں تھے، نہ مال کی محبّت سے بَری تھے، نہ جاہ کی محبّت سے، وہیں اگر خرابی واقع ہُوئی تو بتلا دیا اللہ نے کہ حکومت تو ہماری ہے، مگر کوئی اس کو ڈھنگ سے چلاتا ہے اور کوئی بے ڈھنگے پن سے چلاتا ہے، مگر چلوائیں گے تمہارے ہاتھ سے تاکہ نظام تمہارے ہاتھوں قائم ہو۔ اگر ہمارے ہاتھ سے نظام رہے تمہارا واسطہ نہ ہو تو انسان مجبور محض ظاہر ہوگا۔ کل کو وہ کہہ سکتا ہے کہ آپ اگر مجھے اپنی خلافت و نیابت دیتے تو میں یُوں چلا کے دکھلاتا، مگر اَب نہیں کہہ سکتا، ہم بتلائیں گے کہ جنھوں نے چلا کے دکھلایا وہ یہ ہیں اور جنھوں نے نہیں چلا کے دکھلایا وہ یہ ہیں۔ یہ مستحق ہیں ہماری رحمت کے اور یہ مستحق ہیں ہمارے عذاب کے تو ایک بلاواسطہ حکومت الٰہی ہے۔ وہ اعلیٰ ترین نظم رکھتی ہے۔ ایک بالواسطہ ہے تو واسطے جیسے ہوں گے ویسی حکومت بنے گی، مگر اُصول اختیار کرنے پڑیں گے اُنھیں وہی جو اللہ کی حکومت کے ہیں، اس لیے اس سورۂ مُبارکہ میں حق تعالیٰ نے اپنی حکومت اور اپنے اقتدار کے اُصول بیان فرمائے ہیں کہ شہنشاہی کس طرح چلتی ہے۔

بادشاہ کون ہونا چاہیے؟

تو ذات کو بیان کیا کہ بادشاہ وہ ہونا چاہیے کہ جو خیر کا سرچشمہ ہو۔ نیت بھی پاک ہو۔ علم بھی اعلیٰ ہو، عمل بھی صاف ہو، اخلاق بھی بلند ہوں، اس کے اندر، سخاوت بھی ہو اور عدل بھی ہو، سخاوت میں آکر فضول خرچی میں نہ آئے۔ عدل اُس کی روک تھام کرے۔ اور عدل میں آکر اسراف نہ داخل ہو، ہر چیز اپنے محل پر ہو تو بادشاہ کے اوصاف میں یہ ہے کہ بخیل نہ ہو، اگر بخیل ہوگا تو رعایا تنگ ہو جائے گی، سخی ہوگا تو رعایا کے

اندر مُرَفَّهُ الحالی پیدا ہوگی، مگر اس کے ساتھ عدل ہو، کیونکہ اگر ظلم کے ساتھ سخاوت ہو تو جانب داری کرے گا بادشاہ ایک طبقے کو دے گا اور ایک کو محروم کرے گا، ملک میں بدنظمی پیدا ہوگی، لیکن اگر عدل ہے سخاوت کے ساتھ تو سب کو برابر برابر ملے گا۔ کسی کو کسی سے شکایت نہیں ہوگی۔

اولاد کے بارے میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے

اسی واسطے حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ ماں باپ کے لیے کہ اولاد کے اندر سخاوت کرو، مگر عدل کے ساتھ، سب کو برابر برابر دو، ایک نظر سے دیکھو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ محبت تو ساری اولاد سے طبعًا ہوتی ہے انسان کو، مگر ایک سے کچھ زیادہ پیار ہوتا ہے، دوسرے سے نہیں، غیر اختیاری طور پہ، لیکن معاملہ کرنے میں چاہیے مساوات کہ جتنا ایک کو دے اتنا ہی دوسرے کو۔ اگر برابری نہ رکھی تو ان میں باہم لڑائی اور منافقت پیدا ہوگی اور پھر دونوں مل کر باپ کے مدِ مقابل آئیں گے تو گھر کی حکومت میں بدامنی پیدا ہو جائے گی، بدنظمی پیدا ہوگی، اس لیے بادشاہ کو چاہیے کہ سخی بھی ہو اعلیٰ درجے کا اور ساتھ ہی عادل بھی ہو اعلیٰ درجے کا۔

بادشاہ میں سخاوت و عدل کے ساتھ تدبّر و شجاعت بھی ہونی چاہیے

سخاوت میں اسراف سے عدل روکتا ہے اور عدل کی برکت سے سخاوت اپنے اصل محور پر چلتی ہے۔ اسی کے ساتھ بادشاہ میں دو چیزیں اور ضروری ہیں ایک تدبّر اور ایک شجاعت، بہادر بھی ہو، قلب کا جری بھی ہو، اگر بادشاہ بُزدل ہوگیا تو پھر وہ غالب نہیں آسکتا کسی پر۔ اس میں وہ عناصر اُبھر جائیں گے کہ جو ظالم ہیں اور فسادی ہیں۔ انہی کا غلبہ ہوگا۔ اور بیچارے پیچھے رہ جائیں گے، لیکن اگر بادشاہ کے اندر تدبّر ہے تو وہ اپنی تدبیر سے سب کو یکساں قائم رکھے گا اپنی جگہ، ساتھ میں شجاعت اور بہادری بھی ہو، بُزدل نہ ہو، اگر بُزدل ہوگا تو دشمن راستہ دیکھ لے گا ملک کا اور مدافعت کی قوّت نہیں ہوگی تو ملک تباہ و برباد ہو جائے گا، تو چار چیزیں لازمی ہیں بادشاہ کے لیئے ایک سخاوت اور ایک عدل اور ایک شجاعت اور ایک تدبّر۔ یہ چار چیزیں جمع ہوں گی تب بادشاہی صحیح اُصول پر چلے گی تو ان چاروں کے مجموعہ

کو کہا گیا ہے برکت اور خیر، تو تَبَارَكَ الَّذِیْ اللہ برکت والی ذات ہے کہ ہر چیز حدِ کمال پر ہے اور نہ صرف حدِ کمال پر بلکہ وہی ہے سرچشمہ تمام خیر و برکت کا۔ دوسروں کو ملتی ہے تو اسی سے ملتی ہے اور بِیَدِہِ الْمُلْكُ قبضے میں ہے ملک اس کے، ہاتھ کے نیچے ہے کہ ایک ذرّہ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہل سکتا۔ اس کے ساتھ ساتھ قدرت بھی ہے کہ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اس کی قدرت بھی بڑی وسیع ہے، قابو ہی میں نہیں بلکہ قادر بھی ہے ہر چیز پر، اور قدرت عام بادشاہوں میں تو یہ ہوتی ہے کہ جب جیل بھیجنے کو لایا تو جیل بھیج دیا۔ کسی کو سزا دے دی، کسی کو انعام دے دیا۔ قدرت ہے۔

اللہ کی قدرت کا عالم

لیکن اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ موت اور زندگی کی باگیں بھی اس کے ہاتھ میں ہیں۔ کسی انسان یا کسی بھی مخلوق کے ہاتھ میں موت اور زندگی باگ ڈور نہیں ہے کہ جس کو چاہے زندہ کر دے جس کو چاہے موت دے دے۔

زندگی اور موت کا مطلب

اور زندگی اور موت دینے کے یہ معنٰی نہیں جو نمرود نے سمجھے کہ یہ مر گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے اس کے دربار میں آکر کہا کہ خدائی کا دعوٰی مت کر، وہ بھی مدعی تھا خدائی کا، خدائی کا دعوٰی مت کر۔ خدا کو مان اور اپنے مالک کو پہچان۔ کہتا ہے کون مالک ہے میرے سوا، فرمایا کہ اَلَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وہ ہے مالک جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی دیتا ہے اُس نے کہا کہ یہ کام تو مَیں بھی کر سکتا ہوں۔ اسی وقت دو قیدی نکلوائے جیل خانے سے۔ ایک کے قتل کا حکم دیا اور ایک کو چھوڑ دیا کہنے لگا دیکھو ایک کو مار دیا، ایک کو زندہ کر دیا۔ اس کوڑھ مغز نے یہ نہ سمجھا کہ وہ جو زندگی تھی جس کو تُو نے قتل کیا۔ وہ تیری دی ہوئی تھی؟ پھر قتل ہی تو کیا، قتل سبب بنتا ہے موت کا، لیکن موت نہیں دے سکتا کوئی۔

موت کسے کہتے ہیں؟

موت کہتے ہیں جان نکالنا اپنے قبضے سے اور قدرت سے رگ رگ سے اندر سے حیٰوۃ کو نکال دینا یہ تھوڑا ہی کر سکتا تھا۔ اس نے قتل کر دیا۔ قتل پر موت مرتّب ہوئی مگر دینے والے موت کے حق تعالیٰ ہی تھے اگر یہ قتل کر دیتا، گردن کاٹ دیتا

اور وہ یہ چاہے کہ زندگی نہ نکلے نہیں نکل سکتی۔ واقعات ہیں ایسے شہداء کے بہت سے کہ ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا اُنہوں نے دوسرے ہاتھ میں لے لیا۔ دوسرا ہاتھ کٹ گیا جھنڈا اُنہوں نے مُنہ میں لے لیا اور اُس کے بعد جھنڈا مُنہ سے گر گیا تو اُنھوں نے لیٹے ہی لیٹے لڑھک کے کئی ایک کو مار ڈالا اس کے بعد کہیں جا کر جان نکلی، تو محض قتل ہونے سے جان نکلنا ضروری نہیں ہے۔ اللہ جب چاہے تو جان جاتی ہے، ورنہ مقتول کے اندر بھی جان رہتی ہے۔ تو بہرحال قدرت کا اس کی یہ عالم ہے کہ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ موت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ حیات بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے۔ جس کو چاہے زندگی دے جس کو چاہے موت دے۔

زندگی کسے کہتے ہیں

زندگی دینے کے معنی ہیں "عطائے وجود" وجود دے دینا دوسرے کو، تو ظاہر بات ہے کہ انسان میں قدرت نہیں ہے کہ وجود دے دوسرے کو اس لیے کہ خود اس کا وجود ہی اُس کے قبضے میں نہیں۔ اگر بالفرض اس نے اس کو اولاد دی تو وجود دینے والا باپ یا ماں نہیں وہ سبب بنا ہے زندگی دینے کا، وجود دینے کا، لیکن دینے والا دوسرا ہے، اگر اس کے ہاتھ میں، قبضے میں وجود ہوتا تو یہ خود کبھی نہ مرتا، کون موت کو پسند کرتا ہے، اگر قبضے میں ہو حیات تو روک لیا کرتا آدمی۔

اگر قبضے میں ہو زندگی دینا تو جن کے اولاد نہیں ہوتی وہ ضرور پیدا کرلیا کرتے اولاد۔ اولاد پیدا ہونے کے اسباب سارے مہیا کرتے ہیں اور برس گزر جاتے ہیں نہیں ہوتی اولاد کوئی دُعائیں کراتے ہیں، کوئی تعویذ کراتے ہیں، کوئی طبیبوں کو جاتے ہیں، اگر قبضے میں تھی زندگی تو کیوں نہ دے دی اور پیدا کرلیا بچّے کو۔ پھر اگر کوئی مر رہا ہو تو کسی کے قبضے میں نہیں کہ پل بھر کے لیے روک لے زندگی کو۔ ساری دنیا کے خزانے جمع کرلو اور یہ چاہو کہ ایک منٹ کے لیے اس میت کو روک لو جان نہ نکلے تو یہ قبضۂ قدرت میں نہیں سب عاجز بنے ہُوئے دیکھتے ہیں۔

نزع ہو رہا ہے، سانس چل رہا ہے۔ ماں باپ بھی بیٹھے ہُوئے ہیں، لیکن کچھ نہیں کرسکتے، معلوم ہوتا ہے کہ زندگی اور حیات اُن کے قبضے میں نہیں ہے، اسبابِ زندگی کسی حد تک دیے گئے ہیں قبضے میں۔ اسباب موت کسی حد تک دیے گئے ہیں قبضے میں، لیکن خود موت و حیات اُن کے ہاتھ میں نہیں، تو اللہ کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ موت اور حیات اس کے قبضے میں ہے۔ جسے چاہے وجود دے دے جس سے چاہے وجود چھین لے، تو جو ایسا قادرِ مطلق ہوگا حکومت اس کے

تم ہو گے تاکہ تمہیں اجر ملے، ثواب ملے۔ تم خود حاکم نہیں اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ صرف اللہ کا کام ہے اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ ملک صرف اسی کا ہے تو مُلک کا مالک کوئی نہیں قدرت کا مالک کوئی نہیں زندگی اور موت کا مالک کوئی نہیں۔ یہ صرف اللہ رب العزت ہے کہ وجود اور عدم موت اور حیات دونوں اس کے قبضے میں ہیں تو فرمایا کہ اس سے زیادہ اقتدار والا بادشاہ کون ہے کہ موت و حیات بھی قبضے میں ہے تو خود ذات مُبارک تَبَارَکَ اور اَلَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ قبضہ پُورے مُلک کے اُوپر ہے اور وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پر قادر ہے حتّٰی کہ موت اور حیات پر قادر۔

موت وحیات کیوں پیدا کی گئیں

اور یہ موت و حیات کیوں دی۔ کیا ضرورت تھی اس سلسلے کی کہ کوئی مر رہا ہے کوئی جی رہا ہے، کوئی آ رہا ہے کوئی جا رہا ہے، کسی کو غم ہے، کسی کو خوشی ہے۔ یہ کیوں کیا لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ تاکہ اللہ جانچ لے کہ تم میں کس کا عمل اچھا ہے، کس کا بُرا ہے اس واسطے کہ انسان سب سے پہلے تو میّت ہی تھا، کوئی تھا ہی نہیں وجود اس کا اس کے بعد حق تعالیٰ نے اس کو وجود دیا۔ تو وہ عدم سے وجود میں آیا، اس کے بعد پھر موت دی تو قبر میں چلا گیا۔ اس کے بعد پھر حیات دیں گے تو حشر میں پہنچ جائے گا تو دو موتیں اور دو حیاتیں واقع ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر بالکل اس عدم میں رہتا جس میں تھا اور آتا نہ دنیا میں تو عمل کرنے کی کوئی صُورت نہیں تھی؛ زندگی دی تاکہ عمل کرے، عمل کا انجام نہیں نکل سکتا جب تک موت نہ واقع ہو۔ موت کے بعد ہی تو زندگی مکمّل ہوگی اور مکمّل زندگی پر دیں گے اَجر، تو موت لازمی چیز ہے تاکہ عدل جہان میں بھگتے آدمی۔ اچھائی اور بُرائی کے ثمرات دیکھے تو زندگی دی اس لیے تاکہ عمل کرے اور موت دی اس لیے تاکہ ثمرات اس پر مرتّب ہوں اور اچھے اور بُرے بدلے اس کے سامنے آئیں، اس لیے فرمایا کہ موت اور حیات کا سلسلہ اس لیے رکھا لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً۔ تاکہ یہ دیکھیں کہ تم میں اچھا عمل کس کا ہے تو عمل ہو نہیں سکتا تھا۔ جب تک زندہ نہ کریں اور عمل کا ثمرہ مرتّب نہیں ہو سکتا تھا جب تک موت نہ دیں اور موت کے بعد پھر حیات نہ دیں تو پہلے موت اس کے بعد حیات اس کے بعد موت اس کے بعد پھر حیات تو پہلی حیات میں تو عمل اور دوسری حیات کے اندر ثمرات، اس لیے ہم نے رکھا موت و حیات کا سلسلہ تاکہ تمہارے اچھے اعمال کو

مولای صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درس حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلس ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔
محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔
ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ و لالاء "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔
واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

خم و خمخانہ با مہر و نشان است
ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اما بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے۔ اسی قسم کی روایت حضرت ابوذر غفاریؓ سے بھی ہے۔ لَوْ کَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَھَبًا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا۔ لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلَاثُ لَیَالٍ وَّعِنْدِیْ مِنْہُ شَیْءٌ تو میں اس بات پر خوش ہوں یہ بات میرے لیے خوشی کی ہو گی کہ تین دن گزریں اور میرے پاس کچھ بھی اس میں سے نہ بچے اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُہٗ لِدَیْنٍ[1] سوائے وہ چیز کہ جسے میں اپنے قرض کے لیے بچا کر رکھ لوں کہ اس سے مجھے قرض ادا کرنا ہے یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دَیْن سے بچنے کے لیے کہ قرض سے میں بچا رہوں، اتنی مالیت میں اپنے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۶۴

پاس روک لوں باقی اس کے سوا میں اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھوں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم میں اور عمل میں دونوں میں اسی بات پر زور ہے کہ اپنے پاس ضرورت سے زائد چیز نہیں رکھی اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دی، اور نَقْدَیْن جو یعنی سونا، چاندی یہ کبھی روکا ہی نہیں اپنے پاس۔ باغات ہیں یا پھل ہے اُن کا تو اپنے پاس رکھنے کا معمول رہا ہے۔ باقی ان سے جو آمدنی ہو جائے وہ کبھی نہیں رکھی اپنے پاس۔

تو حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک یہ تھا

کہ سونا اور چاندی ایسی چیزیں ہیں کہ اُنہیں انسان جمع کر ہی نہیں سکتا، رکھ ہی نہیں سکتا، یہ ہے ہی خلافِ شرع اور وہ یہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے دریافت فرمایا أَتُبْصِرُ اُحُدًا تمہیں احد نظر آرہا ہے پہاڑ، تو کہتے ہیں کہ میں نے ایک نظر پہاڑ پر ڈالی اور ایک نظر سورج پر ڈالی، کیونکہ میں یہ سمجھا کہ رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم مجھے کسی کام کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھا فوراً کہ کتنا حصّہ باقی ہے دن کا کہ میں دن میں وہ کام کر آؤں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں، تو گویا میں نے ایک دم اِدھر اور اُدھر نظر ڈالی اور جواب دیا، فرماتے ہیں کہ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے کام تو کوئی نہیں بتلایا ہاں اُحد پہاڑ دیکھ لیا جو کہ بڑا پہاڑ ہے، ایسا پہاڑ تو نہیں ہے جیسے یہ مری وغیرہ کے اُونچے پہاڑ ہیں۔ لیکن مدینہ منوّرہ کے قرب وجوار میں اس کا پہاڑ ہونا نمایاں ہے تو ارشاد فرمایا اگر میرے پاس احد جیسا پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میں اسے اپنے پاس جمع نہ رکھوں وہ سَب کا سَب خرچ کر دوں۔ اب یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جو جہاد میں مال آتا تھا اس میں پانچواں حصّہ رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ہوتا تھا، لیکن آپ کے پاس تو کوئی چیز نہیں رہتی تھی۔

گھر میں یہ حال رہتا تھا کہ میسّر آگیا تو کھالیا نہ میسّر آیا رہنے دیا، تشریف لاتے تھے، پوچھتے تھے کوئی چیز ہے کھانے کی؟ کھانے کی چیز ہوئی تو جیسے ناشتے کا وقت ہوتا ہے تناول فرمالیا۔ اور اگر کہا کہ نہیں ہے تو ارشاد فرمادیتے کہ میرا روزہ ہے۔ روزہ کی نیّت کر لیتے تھے یہ جو روپے پیسے کا معاملہ ہے یا دوسروں کو دینے کا معاملہ ہے یہ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل میں

اتنا پایا جاتا ہے کہ کوئی دَور ایسا نہیں کہ جس میں آپ نے کبھی کچھ رکھّا ہو، یہ ملے گا کہ رکھنے سے گھبرائے، ایک حدیث اور آئی ہے، اس میں یہی تھا کہ مال آیا تھا آپ تقسیم فرما رہے تھے، کسی نماز کا وقت آگیا، وہاں نماز میں تشریف لے گئے۔ سلام پھیرا تو خلافِ عادت جلدی سے آپ اُٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے، پھر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو دیکھا کہ جیسے تشویش میں ہوں، تو فرمایا کہ بات یہ تھی کہ میرے پاس تھوڑا سا سونا رہ گیا تھا، بانٹ تو چکا تھا یہ رہ گیا تھا۔ مَیں نے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ میرے پاس رہ جائے اور رات آجائے، یعنی پھر اس کا بانٹنا کل پہ جائے، بعض روایات میں یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مَیں دُنیا سے رُخصت ہو جاؤں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تو ہر وقت ہی تیّار رہتے تھے۔ تو یہ (مؤخر) کرنا مناسب نہیں تھا۔ اور وہ تھا بانٹنے ہی کے لیے۔ یہ ملے گا۔ اگر ملے گا کہ آپ کو اپنے پاس باقی رہنے کی وجہ سے تشویش ہوتی ہو۔ یہ نہیں ملے گا کہ خرچ ہونے کی وجہ سے تشویش ہوتی ہو، تو عمل بہت ہی بڑی چیز ہوتی ہے اور عمل بھی یہی ہے، ارشادات بھی یہی ہیں تعلیم بھی یہی ہے حضرت ابو ذر غفاری رضؓ نے اس پر اس طرح عمل کیا کہ انہوں نے اسے واجب سمجھ لیا کہ یہی ضروری ہے، باقی کپڑے ہیں اور ضرورت کا سامان ہے اور چیزیں ہیں ان کو حضرت ابو ذر غفاریؓ منع نہیں فرماتے تھے، ہاں سونا چاندی یہ بالکل نہیں۔ کہتے تھے کہ یہ جمع رکھنا دُرست ہے ہی نہیں یہ بانٹ ہی دے، نکال ہی دے آدمی۔

یہ صرف اُن کا مسلک تھا۔ باقی اور کسی کا یہ مسلک نہیں ہے صحابہ کرامؓ میں سے، یہ ضرور ہے کہ قرآن پاک میں جو آیت آئی ہے کہ جمع کرنا منع آیا ہے اور اس پہ یہ آیا ہے کہ عذاب ہوگا۔ اس آیت سے جب وہ استدلال کرتے تھے تو صحابہ کرامؓ اُن سے عرض کرتے تھے کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے بارے میں ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے اور اب ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو زکوٰۃ نہ دیں، جب زکوٰۃ دے دیں تو پھر یہ حکم نہیں ہوگا۔ یہ وعید اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو زکوٰۃ دے دیں تو یہ اجماعی مسلک ہے باقی سب صحابہ کرامؓ کا، سوائے حضرت ابو ذرؓ غفاری کہ انہوں نے وہ کلمات سُن لیے۔ اُن سے انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ

(باقی صفحہ ۵۰ پر)

تحریر : ڈاکٹر محمود الحسن عارف (قسط: اوّل)

پاکستان میں قیام امن کا مسئلہ

فی الوقت پوری دُنیائے اسلام میں بالعموم اور وطنِ عزیز پاکستان میں بالخصوص امن وامان یا چادر و چار دیواری کے تحفظ کا مسئلہ ایک سنگین صورت حال اختیار کر چکا ہے۔ خُونِ مسلم کی ایسی ارزانی چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی دیکھی نہ دیکھے گا۔ ہیروئن اور کلاشنکوف کلچر نے ملک وقوم کی تہذیبی اور ثقافتی اقدار کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور قوم بڑی تیزی کے ساتھ تباہی اور ہلاکت کے گڑھے کی جانب رواں دواں ہے۔

ایک صُوبہ دوسرے صُوبے کے خلاف اور لسانی بُنیادوں پر معرضِ وجود میں آنے والی ایک قومیت دوسری قومیتوں کے خلاف معرکہ آرا ہے۔ حکومتیں خواہ کسی صُوبے کی ہوں یا مرکز کی وہ ان صوبائی نفرتوں اور علاقائی عصبیتوں کو مزید ہوا دینے اور اپنی کرسی کو دوام بخشنے میں مصروف ہیں۔

دوسری طرف پاکستان کے طُول وعرض میں چوروں اور ڈاکوؤں تخریب کاروں نے پُرامن عوام کو ناقابلِ بیان کرب اور عذاب میں بتلا کر رکھا ہے۔ وہ اسلحہ کے بل بوتے پر کھلے بندوں بنک کرنسی لے جانے والی گاڑیوں، عام دکانوں اور گھروں کو لوٹ لیتے ہیں۔ دن دیہاڑے مرّدوں عورتوں اور بچّوں کو اغوا کر کے اُن کے وارثوں سے بھاری تاوان کا مطالبہ کرتے ہیں اور اگر ورثا کسی وجہ سے ان کا یہ مطالبہ پُورا نہ کر سکیں تو انہیں اپنے عزیزوں کی لاش کسی ویران مقام پر مل جاتی ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر خاندان کے خاندان بھیانک طریقے سے قتل کر دیے جاتے ہیں اور اگر دو مختلف زبان بولنے والوں کے درمیان کوئی معمولی سا تنازعہ کھڑا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں "ہندو مسلم" فسادات سے بھی زیادہ ہولناک فسادات شروع ہو جاتے ہیں۔ جن میں صدہا بے گناہ مارے جاتے ہیں اور نہ جانے کتنے بے آسرا یا معذور ہو کر معاشرے اور سوسائٹی کے لیے ایک بوجھ

بن جاتے ہیں۔

قتل و غارت گری کا یہ طوفان اتنا تند و تیز اور ہوشربا ہے کہ چھوٹے طبقے کے لوگ ہی نہیں بلکہ اُونچی سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں

معاشرے میں بڑھتی ہوئی جرائم کی یہ سنگین وارداتیں ہم سب کو سوچنے اور غور و فکر کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے اور سرزمینِ پاک پر خُونِ مُسلم کی یہ ارزانی کیوں ہے؟

ایک وقت تھا کہ مُسلمان اللہ کی ساری زمین پر امن و سلامتی کا محافظ اور پاسباں تھا۔ جَب تک اسلامی حکومتیں دُنیا پر غالب رہیں مُسلمانوں نے نہ صرف اپنی زمینوں پر، بلکہ غیر مسلموں کے علاقوں میں بھی بالخصوص مسلمانوں کے جان و مال کا تحفّظ کیا۔ جیسا کہ سندھ کے قزاقوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے والی ایک مُسلمان عورت کی دہائی پر نامور مسلمان گورنر حجاج بن یُوسف نے اپنے بھتیجے محمّد بن قاسم کو سندھ کے مُجرموں کی سرکوبی کے لیے بھیج دیا تھا اور محمّد بن قاسم نے نہ صرف اس مظلوم عورت کو بلکہ دیگر ہزاروں افراد کو بھی راجہ داہر اور اس کے قزاقوں کے مظالم سے رہائی دلائی تھی، مگر آج ایک نہیں سینکڑوں اور ہزاروں عورتیں ظلم و جبر کے خلاف دہائی دے رہی ہیں، مگر کسی کے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔

ان حالات میں قدرتی طور پر ہماری نگاہ ان اداروں کی طرف اُٹھتی ہے جو امن و امان قائم رکھنے کے ذمّہ دار ہیں آئیے ان کے کردار پر ایک نظر ڈال لیں۔

الف۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کا منفی کردار

ان حالات میں ہمارے ملک کے قانُون نافذ کرنے والے ادارے جو کردار ادا کر رہے ہیں وہ کسی سے ڈھکا چُھپا نہیں، بڑے افسوس اور انتہائی دُکھ کی بات ہے کہ ان اداروں کا کردار جرائم کو گھٹانے کی نسبت بڑھانے میں زیادہ مؤثّر ہو رہا ہے اگر ہمارے ملک کی پولیس صحیح ہو جائے تو نوّے فیصد جرائم خود بخود ختم ہو سکتے ہیں، مگر اس کا کیا علاج کہ

ع جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

جَب پولیس رشوت لے کر مُجرم کو رہا کر دے اور بے گناہ کو مجرم بنا کر پیش کر دے، جَب

گناہگار کو کرسی پیش کی جائے اور بے گناہ کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے جب محض اپنی ترقی کے لیے کسی بے گناہ شخص سے کھلے میدان میں موت کا کھیل کھیل کر پولیس مقابلے کے مصنوعی ڈرامے رچائے جائیں اور لوگوں کی عزتوں اور جانوں کی محافظ پولیس خود لوگوں کو تلاش کے بہانے لوٹتی پھرے جب بیٹی (اور زندہ) ہونے کے باوجود بوڑھے اور نحیف باپ کو اس کی اپنی بیٹی کا قاتل بنا کر پیش کیا جائے اور اس کے حق میں جھوٹی گواہیاں بھی مرتب کرلی جائیں تو ایسی انتظامیہ سے قیام امن کی توقع رکھنا بے فائدہ اور بے محل نہیں تو اور کیا ہے۔

ے ہمیں ان سے وفا کی ہے اُمید ... جو نہیں جانتے وفا کیا ہے۔

ب۔ جیلوں کا کردار

پھر وطنِ عزیز کے جیل خانے، جن پر قوم ہر سال کروڑوں روپے صرف کر رہی ہے۔ جس طرح جرائم کی تربیت گاہوں میں تبدیل ہو کر رہ گئے اس سے ملک کا ہر سنجیدہ شخص پریشان ہے۔ فی الواقع ان جیل خانوں میں عادی مجرموں کے ٹولے، ناپختہ اور ناتجربہ کار لوگوں کو جرائم کے صحیح گر سکھاتے اور اُن کی تعلیم و تربیت کرتے نظر آتے ہیں۔ انتہا یہ کہ ان جیل خانوں میں رشوت کا بازار گرم ہے اور مجرم اپنی رشوت کے بل بوتے پر نہ صرف جیل کو "عشرت کدے" میں بدل دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بلکہ وہ بآسانی بھاگ نکلنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں، حالانکہ جیل خانے عقوبت کے لیے قائم کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں سے مجرموں کو جرائم سے باز رکھنے کی ترغیب ملنی چاہیے تھی، اُلٹا یہ جرائم کی ترغیب و تحریص کی آماجگاہ بن کر رہ گئے ہیں۔

ج۔ عدلیہ

ہمارے ملک کی عدلیہ بھی جرائم کی نشو و نما اور ترغیب و تحریص کی بیخ کنی میں اپنا کردار ادا نہیں کر رہی جو اُسے کرنا چاہیے۔ پھر عدالتی طریقۂ کار، وکیلوں کی فیسوں اور دیگر اخراجات کے باعث آج کل کے علم نہیں کہ اب انصاف ملتا نہیں بلکہ خود خریدا جاتا ہے اور اس طریقے سے حصولِ انصاف کی کسی میں طاقت ہوتی ہے اور کسی میں نہیں ہوتی، لہٰذا وہ مستحق اور اہل ہونے کے

باوجود حصولِ انصاف سے محروم رہتا ہے۔

د۔ تعلیم گاہوں کا کردار

اسی طرح وطنِ عزیز کی تعلیم گاہیں بھی جرائم کی پرورش گاہ بن کر رہ گئی ہیں۔ ان تعلیم گاہوں میں جہاں علم و حکمت کے موتی بکھیرے جانے چاہییں، جہاں سے ملک و قوم کی ناؤ کو رواں دواں رکھنے والے قومی اور ملی رہنما پیدا ہونے چاہییں تھے ________________

وہاں آج ہیروئن اور کلاشنکوف کلچر کا راج ہے اور ان درسگاہوں سے ڈسکو نوجوان نکل رہے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں کتابوں کے بجائے پستول، مشین گنیں اور کلاشن کوفیں ہیں اور ان کے ہونٹوں پر سیاسی نعرے ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ ان تعلیم گاہوں میں نہ اساتذہ کی عزت محفوظ ہے اور نہ انتظامی افسران کی، چنانچہ یہاں اُستاد طالب علموں کے خوف سے کلمہ حق سے گھبراتے اور مُنہ چھپاتے پھرتے ہیں۔ طالب علم ہیں کہ جس اُستاد، جس انتظامی افسر اور جس صدر شعبہ کی چاہیں بے عزتی کر کے رکھ دیں، وائس چانسلر تک کو گریبان سے پکڑیں اور زبردستی استعفا لکھوا کر چلتا کر دیں۔ ایسی تعلیم گاہوں سے خیر کی توقع رکھنا ہی عبث ہے۔ بگاڑ کسی ایک جگہ ہو تو بات بھی کیجیے یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔

ھ۔ معاشرے کا کردار

معاشرے کا کردار اس سب پر مستزاد ہے۔ ہمارے معاشرہ کی اساس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر رکھی گئی ہے، مگر اب امر بالمعروف کے بجائے امر بالنہی اور نہی عن المعروف کیا جا رہا ہے۔ اس معاشرے کے لوگ غلط کار شخص کو محض اس کے ڈر سے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور اس کی تمام سیہ کاریوں اور اس کی تمام دسیسہ کاریوں میں اس کی پیٹھ ٹھونکتے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

اسی لیے ہر آئے دن جرائم کی رفتار میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس کی صورتِ حال کچھ اس طرح ہے کہ ہر سال اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

محترم سید امین گیلانی

بُرا نہ مانیے گا

جو کچھ مَیں عرض کروں گا بُرا نہ مانیے گا بھلا ہے اِس میں تُمھارا، بُرا نہ مانیے گا
کِسی کا کوئی بھی حق جو تُمھارے ذِمّے ہو اگر کرے وہ تقاضا، بُرا نہ مانیے گا
تُمھاری نظروں میں کتنا بھی ہو وُہ کم مایہ دِکھائے حق کا جو رستا، بُرا نہ مانیے گا
جو اُس نے تم سے کہی بات، اگر وہ سچّی ہے کوئی بڑا ہو کہ چھوٹا، بُرا نہ مانیے گا
اگر جیے کوئی ظالِم کا ہمنوا بن کر وہ جِینا خاک ہے جِینا، بُرا نہ مانیے گا
جو پادشاہ فقیروں سے خوامخواہ اُلجھے !! وہ پادشہ نہیں دانا، بُرا نہ مانیے گا
جو آدمی یہ سمجھتا ہو، مَیں ہی اَچھا ہُوں وُہ آدمی نہیں اَچّھا، بُرا نہ مانیے گا
کریں غریب کی خدمت، نہ اُس سے لیں خدمت یہی ہے مرضیٔ مولا، بُرا نہ مانیے گا
یہ خورد و نوش یہ اہل و عیال و مال و منال یہی ہے دھوکے کی دُنیا، بُرا نہ مانیے گا
مِری تباہی میں کب غیر کا تھا ہاتھ اے دوست کِیا دھرا ہے تمھارا، بُرا نہ مانیے گا
نہ پادشہ سے بھی کرنا ضمیر کا سُودا سَراسَر اِس میں ہے گھاٹا، بُرا نہ مانیے گا
زمانہ سازوں کا کیا اعتبار ہے اے دوست بہت بُرا ہے زمانا، بُرا نہ مانیے گا
زمین و زر کی ہوَس لے عزیزِ مَن ہے فضول لحد میں جانا ہے تنہا، بُرا نہ مانیے گا
تُمھارا حُسن بھی دیکھا ہے مَیں نے اے دُنیا اگر اُٹھاؤں مَیں پردہ، بُرا نہ مانیے گا
بُتوں کے ناز و ادا، عاشقوں کی آہ و بُکا یہ سب ہے کھیل تماشا، بُرا نہ مانیے گا
جبیں ہے چاند کسی کی، نہ پھول ہیں رُخسار یہ سب نظر کا ہے دھوکا، بُرا نہ مانیے گا

بھروسہ جس پہ کیا دے گیا دغا وہ امینؔ
یہی ہے تجربہ اپنا، بُرا نہ مانیے گا

جناب سید امین گیلانی

مزاح اور اصلاح

قارئین محترم! نصف صدی سے زیادہ عرصہ سفر و سیاحت میں گزار چکا ہوں، دورانِ سفر بہت سے واقعات پیش آتے رہے، جن میں سے چند ایک تحریر کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

واقعات اپنے بیاں کیجیے کیا کیا اے دوست
ایسے ٹکڑے ہیں ہزاروں میرے افسانے ہیں

ڈھیلا استعمال کرنے کا طریقہ

کوئی ریلوے اسٹیشن تھا۔ میں گاڑی کے انتظار میں ٹہلنے لگا، ٹہلتے ٹہلتے لکڑی کے پُل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر بزرگ داہنے ہاتھ سے اِزار بند سنبھالے بایاں ہاتھ شلوار میں ڈالے بڑے مزے سے ڈھیلا استعمال کر رہے ہیں۔

بڑی کراہت محسوس ہوئی کہ زن و مرد اِدھر سے گزر رہے ہیں اور انہیں ذرا خیال نہیں یہ اپنے ہی کام میں جُتے ہوئے ہیں جب مجھ میں اور اُن میں کوئی دو فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو میں نے جھٹ اپنی گرم چادر اُتار کر اُن کے سامنے تان دی، وہ صاحب میری اس اچانک حرکت سے بوکھلا گئے اور بولے عجیب آدمی ہو یہ کیا حرکت ہے۔ میں نے فی البدیہہ کہا کہ جناب آپ بھی کم عجیب نہیں کہ برسرِ عام ڈھیلا استعمال کرنے کا طریقہ سکھا رہے ہیں۔ یہ سُنتے ہی اُنہوں نے ڈھیلا پھینکا اِزار بند باندھا اور کھسک گئے۔

مجھے اُمید ہے کہ پھر کبھی اُنہوں نے لوگوں کو ڈھیلا استعمال کرنے کا یہ مکروہ طریقہ سکھانے کی کوشش نہ کی ہوگی۔

قطب کی طرف ٹانگیں

کہیں جلسہ تھا، مَیں جلسہ گاہ سے کچھ دُور چارپائی پر لیٹا ہُوا تھا کہ ایک صاحب جاتے جاتے میری چارپائی کے قریب رُک گئے۔ اور کہنے لگے ویسے تو آپ مولوی صاحب معلوم ہوتے ہیں، مگر قطب کی طرف پاؤں پسارے لیٹے ہُوئے ہیں۔ اُن کی یہ بات سُنتے ہی میں نے مصنوعی گھبراہٹ اختیار کر کے کہا "اوہو" غلطی ہوگئی اور فوراً تکیہ پائنتی کی طرف رکھ کر لیٹتے ہی پھر پریشانی ظاہر کر کے اُٹھ کھڑا ہُوا اور کہا ہائے ہائے اِدھر تو قبلہ ہے، پھر مَیں نے چارپائی کا رُخ پھیر دیا اور گھبرا کر کہا توبہ توبہ اِدھر تو بیت المقدس ہے۔

اور پاؤں دوسری طرف کر لیے اور ساتھ ہی کہا عجب مصیبت ہے۔ اِدھر تو لاہور شریف ہے شاہی مسجد حضرت میاں میرؒ، حضرت علی ہجویریؒ، شاہ محمد غوثؒ کے مزارات ہیں۔ وہ شخص بڑے تعجب سے میرا یہ مسخرہ پن دیکھتا رہا اور اُسے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ مَیں نے کہا بھائی جان اگر ٹانگیں اُوپر کر لُوں تو عرشِ معلّیٰ ہے۔ آپ آپ ہی مسئلہ حل کریں۔ اب وہ صاحب لاجواب تھے، تنگ آکر بولے۔ بابا تم مولویوں سے تو شیطان بھی بھاگتا ہے اور پھر تیزی سے آگے بڑھ گئے اور مَیں تنہا ہی دیر تک ہنستا رہا اور سوچا کہ اب یہ صاحب ضرور سوچیں گے کہ آخر سوتے وقت ٹانگیں کس طرف کرنی چاہئیں!

کیلے کے چھلکے

صاف شفاف چمکتی دمکتی ریل کار تھی اور میں ساہیوال جا رہا تھا۔ کیلے بیچنے والا آیا تو میرے ساتھ بیٹھے ہُوئے مسافر نے بھاؤ تاؤ کر کے چھ کیلے خرید لیے اُس نے جب پہلا کیلا کھا کر اُس کے چھلکے وہیں قدموں میں ریل کار کے فرش پر ڈال دیے تو مَیں نے فوراً وہ چھلکے اُٹھا کر کھڑکی سے باہر اُچھال دیے، گویا یہ اشارہ دیا کہ "چھلکے باہر پھینکیے" مگر میرے اس واضح اشارہ کے باوجود اُس نے دوسرا کیلا کھا کر چھلکے پھر وہیں پھینک دیے، مَیں نے پھر چھلکے اُٹھائے اور باہر پھینک دیے، غرض وہ ہر کیلا کھا کر چھلکے وہیں پھینکتا رہا اور مَیں اُٹھا کر باہر پھینکتا رہا۔ جب وہ چھٹا کیلا کھا رہا تھا تو مَیں نے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اُس کے آگے کر دیا، اُس نے بڑے اطمینان سے کیلا کھا کر چھلکے میرے ہاتھوں پر رکھ دیے مَیں نے چھلکے باہر پھینک دیے، اور مُنہ سے کچھ بھی نہ کہا کہ ایسے جاہل سے مُنہ لگانے کا کیا فائدہ؟

(باقی ص ۵۳ پر)

شہر بصرہ کے مایہ ناز تابعی

از۔ حضرت مولانا سیّد اصغر حسین صاحبؒ
سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند،

عامر بن عبد القیس کے وجود پر شہر بصرہ نازاں تھا۔ صرف بصرہ ہی میں نہیں بلکہ لوگوں کا خیال تھا کہ اس زمانہ میں دُنیا بھر کے عابد و زاہد لوگوں پر فائق ہیں۔ شوق و ذوق کا وہ غلبہ تھا کہ تمام رات ایک منٹ کو نہیں سوتے تھے۔ فرائض اور دیگر وظائف کے علاوہ دن رات میں ہزار رکعتیں کبھی قضا نہ ہوتی تھیں۔ بہت سے ظاہر بین خشک مزاج لوگ اُن کو دیوانہ سمجھیں گے کہ خدا نے رات کو سونے کے لیے بنایا ہے۔ دن کاروبار کے لیے۔ ہر دم نماز و وظائف میں لگے رہنا فطرۃ اللہ کے خلاف ہے۔ بعض کوتاہ نظر اہلِ علم ان پر مخالفتِ سُنت کا الزام لگائیں گے۔ کہ طریقۂ مسنون یہ ہے کہ رات کو آرام بھی کیا جائے اور عبادت بھی۔ کوئی کچھ کہے، مگر یہ معذور تھے اپنے اختیار اور قابو ہی میں نہ تھے کہ کسی قاعدے کی پابندی کریں۔ غلبہ شوق نے ان کی نیند اُڑا دی تھی۔ اور قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ کی راحت نے تمام لذاتِ طبعی دل سے بھلا کر ایک طرف طبیعت لگا دی تھی۔

"مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ ـــــ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" کی قدیم ندا اور بے مثل و بے ساز آواز اُن کو مدہوش کر رہی تھی بار بار فرماتے تھے کہ بِھٰذَا اُمِرْتُ وَلِھٰذَا خُلِقْتُ[1]۔

کسی نے پوچھا کہ جناب عامر ہم لوگوں کو اپنی مختصر نمازوں میں دُنیا بھر کے خیالات گھیر لیتے ہیں۔ آپ دن رات نماز میں رہتے ہیں آپ کو بھی کچھ خیال آتا ہے۔ کہا ہاں ضرور خیال آتا ہے جب نماز شروع کرتا ہوں تو بروز قیامت خدا تعالیٰ کے سامنے بے کس و بے بس کھڑے ہونے کی حالت پیش نظر ہو جاتی ہے اور جب سلام پھیر کر نماز ختم کرتا ہوں تو وہاں سے واپسی کی صورت

---

[1] مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے اور اسی کام کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ ۱۲

آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنے تقدس وصلاحیت پر نازاں ہو کر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عوام مجھ پر کبھی بدگمانی نہ کریں گے، بلکہ تہمت کے مواقع سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ نہایت متقی اور نہایت پرہیزگار شخص کو بھی تمام لوگ ایک آنکھ سے نہیں دیکھتے اور ہر شخص ایک ہی قسم کا خیال نہیں کرتا، بلکہ بعض محبت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بعض مخالفت اور ناراضگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، لہٰذا شریر لوگوں کی تہمت تراشنے اور گمانِ فاسد کرنے سے احتراز لازم ہے۔ اس لیے کہ شریر النفس لوگوں کے دل میں ہر شخص کی نسبت بُرا ہی خیال گزرتا ہے۔ اس لیے جب کسی شخص کو دیکھو کہ لوگوں کی بدگمانی میں مبتلا رہتا ہے اور ہمیشہ ان کے عیوب کی طلب وتلاش میں رہتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ خبیث الباطن ہے اور یہ باطنی خبث ہے جو اس کے افعال واقوال سے ٹپک رہا ہے۔ چونکہ خود خبیث ہے ایسا ہی دوسروں کو خیال کرتا ہے۔ شانِ مومن یہ ہے کہ دوسروں کو معذور سمجھے اور منافق کی عادت یہ ہے کہ عیوب تلاش کرے، مومن کامل کا سینہ تمام مخلوق کی طرف سے صاف اور بے لوث ہوتا ہے۔

جناب عامر کو اپنے شغل عبادت میں لوگوں کی بدگمانی اور خیالات کی پروا نہ ہوئی۔ لوگوں نے بلا تحقیق اپنے گمانِ فاسد کے مطابق ان کی چند شکایتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچائیں۔

(۱) نکاح نہیں کرتے (یا تو جائز ہی نہیں سمجھتے یا کم از کم ترک سُنّت ضرور کرتے ہیں۔)

(۲) گوشت کبھی نہیں کھاتے۔

(۳) اماموں پر اعتراض کرتے ہیں اور جمعہ کی نماز میں کبھی شریک نہیں ہوتے۔ معتبر ذرائع سے ان شکایات کو سُن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ اُن کو بصرہ سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، کیونکہ ہر شخص کی بدگمانی کو دُور کرنا دُشوار تھا اور حکام پر اعتراض کرنے سے انتظام میں خلل آنے کا اندیشہ تھا

ملک شام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت معاویہؓ عامل وحاکم تھے جن کا حسن انتظام وتدبر سب کو تسلیم تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ حضرت معاویہ رضؓ کے زیرِ نظر رہنا عامر کے لیے بھی مفید ہوگا اور انتظام وسکون کے خلل کا اندیشہ بھی رفع ہو جائے گا۔ اس لیے حکم دیا کہ آپ ملک شام میں جا کر رہیں۔ امیر اور حاکم کی اطاعت جو تعلیم مختلف و مؤثر عنوانات سے جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، وہ جناب عامر سے مخفی نہ تھی۔ نہ کوئی عذر کیا نہ کسی قسم کی سرکشی اور انحراف شام کو روانہ ہو گئے۔

شام میں پہنچ کر انہوں نے سب کاموں پر حضرت معاویہ رضؓ کی ملاقات کو دینی اور دنیوی لحاظ سے مقدم سمجھا۔ جن کو صرف ملک شام کا گویا مستقل حاکم (برائے نام ماتحت) ہونے کی حیثیت حاصل تھی، بلکہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی دینی عزت بھی باعث فخر تھی۔ اُن کے متعلق الزام اور حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم اور اس کی مصلحت سے حضرت معاویہ رضؓ اُن کے آنے سے پہلے مطلع ہو چکے تھے۔ جب یہ ملاقات کے لیے تشریف لائے تو حُسنِ اتفاق سے حضرتِ معاویہ رضؓ کھانا کھا رہے تھے۔ دسترخوان پر ثرید (یعنی روٹی کے ٹکڑے گوشت میں ڈالے ہوئے) موجود تھا۔ حضرت معاویہ رضؓ کی فرمائش سے جناب عامر کھانے میں شریک ہو گئے اور بڑے شوق سے ثرید کھایا۔ معاویہ رضؓ سمجھ گئے کہ عامر بے قصور ہیں اور اُن کی نسبت جس قدر بھی شکایتیں وہ سب افترا و الزام ہیں۔

معاویہ رضؓ نے پوچھا کہ جناب آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ کس الزام پر آپ کو بصرہ سے نکالا گیا ہے۔ عامر نے کہا کہ مجھے کچھ اطلاع نہیں ہے، معاویہ رضؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین (عثمان رضؓ) کو لوگوں نے خبر پہنچائی کہ تم گوشت نہیں کھاتے اس کی حقیقت تو ابھی معلوم ہو گئی کہ آپ نے میرے سامنے گوشت کھا لیا اور یہ کہ تم نکاح کو جائز نہیں سمجھتے، اماموں پر اعتراض کرتے ہو اور جمعہ کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔

عامر رحؒ ان بے اصل تہمتوں کو سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ یہ سب باتیں لوگوں کی غلط فہمی سے مجھ پر چسپاں ہو گئی ہیں، ورنہ ان میں سے ایک بات بھی میرے اندر نہیں ہے۔ جمعہ کے لیے مسجد میں جاتا ہوں لیکن (لوگوں کی گردنوں پر پھلانگنے اور ایذا دینے کے خوف سے) سب سے پچھلی صفوں میں نماز پڑھتا ہوں اور نماز پڑھ کر فوراً واپس آجاتا ہوں (کیونکہ نوافل و سنن کا مکان میں پڑھنا مسنون اور افضل اور ریا سے بعید ہے) گوشت کے متعلق آپ نے خود مشاہدہ فرما لیا ہے کہ مجھے کچھ

پرہیز نہیں ہے، لیکن ایک روز ایسا اتفاق ہُوا کہ ایک قصاب بکری کو ذبح کرنے کے واسطے کھینچے لیے جاتا تھا اور خریداروں کو بُلانے کے لیے کہتا جاتا تھا کہ "آجاؤ چلتا ہُوا مال ہے۔ آجاؤ چلتا ہُوا مال ہے" اس بد تمیز نے یہی کہتے کہتے بکری کو ذبح کر دیا اور ذرا بھی خُدا کا نام نہ لیا اُس روز سے بازار کے گوشت سے نفرت ہوگئی بالکل کھانا چھوڑ دیا، اگر کبھی ضرورت اور رغبت ہوتی ہے تو بکری ذبح کرکے کسی قدر گوشت کھالیتا ہوں۔ نکاح کی نسبت یہ عرض ہے کہ مَیں نکاح کو حلال و مسنون سمجھتا ہُوں لیکن اتنی مُدّت تک کوئی مناسب موقع نہیں ملا۔ البتّہ ان ایام میں جبکہ مجھے بصرہ چھوڑ کر شام کو جانے کا حُکم ہُوا ہے میرے رشتہ اور نکاح کی گفتگو ہورہی تھی جو اس سفر کی وجہ سے ناتمام رہ گئی۔

حضرت معاویہؓ تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ عامر بے قصور ہیں۔ اُن کے بیان سے اور زیادہ حقیقت واضح ہوگئی اور فرمایا کہ اگر آپ اپنے وطن کو واپس ہونا پسند کریں تو میں خلیفۃ المسلمین سے سفارش کرکے آپ کو واپس جانے کی اجازت دلا دوں۔ عامرؒ نے فرمایا کہ مجھے ایسے شہر میں واپس جانا گوارہ نہیں ہے جس کے باشندوں نے مجھ پر ایسی بیدردی سے الزام لگائے ہیں۔ اس کے بعد عامرؒ نے سواحل شام میں مستقل سکونت اختیار کرلی اور اپنی عبادت و ذکر اللہ میں مشغول رہنے لگے۔ معاویہؓ اُن سے نہایت تعظیم و توقیر کا معاملہ فرماتے اور جب ملاقات ہوتی تو دریافت فرماتے کہ کوئی کام اور کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ ان کی قناعت اور زاہدانہ زندگی نے ان کو ایسا مستغنی بنا رکھا تھا کہ ہمیشہ انکار کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ نے حسبِ دستور یہی دریافت فرمایا تو ہنس کر کہنے لگے کہ اور تو کوئی حاجت نہیں ہے، البتّہ میرے وطن بصرہ کی گرمی اور دُھوپ یہاں منگا دیجیے، اس لیے کہ آپ کے اس ملک میں روزے کا وہ لُطف ہی نہیں آتا۔ سرسبز و شاداب ملک ہے۔ موسم معتدل ہے نہ آفتاب کی تیزی ہے نہ دُھوپ کی سختی نہ پیاس کی بے قراری۔ روزہ رکھنے سے نفس کو جس قدر تکلیف وہاں ہوتی تھی یہاں نہیں۔

جب کسی لشکر میں شریک ہوجاتے تو اپنی طبیعت کے مناسب دو چار ساتھی منتخب کرکے یہ شرط کرکے اُن کے ساتھ رہتے کہ مَیں تمہاری خدمت کیا کروں گا اور حتی الوسع تم پر اپنا مال خرچ کروں گا اور اذان مَیں دیا کروں گا۔ جب تک موافقت رہتی رفاقت میں بسر کرتے جب ان باتوں میں سے کسی پر کوئی ساتھی اُن سے جھگڑا یا مخالفت کرتا تو ناراض ہوجاتے اور ان ساتھیوں کو چھوڑ دیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ خدا

حضرت مولانا معراج الحق قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

تحریر : حافظ تنویر احمد شریفی، ناظم اعلیٰ تنظیم القراء والحفاظ ٹرسٹ پاکستان، کراچی۔

دار العلوم دیوبند ایشیاء کا ازہر ہند کہلاتا ہے جو اپنی عالمگیر شہرت اور ناموری کی وجہ سے کسی تعارف کا محتاج نہیں کہ اس کا نام لے کر اور کام گنوا کر اُسے متعارف کرایا جائے، لیکن اس کے علمی فرزندان خاموشی کے ساتھ خدمتِ اسلام سرانجام دیتے رہے ہیں اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے۔

مرحوم مولانا عبد الشکور دین پوری رحمہ علماء دیوبند کی خدماتِ اسلام کے تحت ایک مخصوص اندازِ تحریر میں فرماتے ہیں کہ

"دار العلوم دیوبند نے ہزاروں مفسّر، محدّث، مفتی متکلم، محقق، مدقق، مناظر، معلّم، مبلّغ، مصنّف مؤلف، مؤرّخ، مدبّر، مفکّر، سیاستدان، صحافی، شاعر، ماہر تیار کیے اور ہزاروں فقہاء، علماء فضلاء، فصحاء، بلغاء، ادباء، صلحاء، اتقیاء، اذکیاء، اصفیاء، اکابر، شیوخ پیدا کیے۔

ویسے دار العلوم نے ہزارہا فرزند ارجمند، سعادت مند، سپوت پیدا کیے، مگر چند قابلِ قدر بلند فاضل دیوبند، دِل پسند، اکابرین، بہترین، بزرگ ترین کا تذکرہ ضروری ہے۔"

اس کے بعد مرحوم نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ، حضرت مولانا امام انقلاب عبید اللہ سندھی رحمہ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ، شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ، حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ، شیخ العرب والعجم حضرت علامہ امام سید حسین احمد مدنی، ابو حنیفہ وقت حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ کو شمار کرایا ہے۔ مولانا نے قرونِ اوّل کے علماء کا شمار مختصراً کرایا۔ موجودہ زمانے کے علماءِ دیوبند میں حضرت مولانا معراج الحق قاسمی دار العلوم کے عظیم علمی فرزندوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہاں مولانا رحمہ اللہ کی مختصر حالاتِ زندگی تحریر کیے جارہے ہیں۔

مولانا معراج الحق رحمہ اللہ رجب المرجب ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے، پرائمری درجات تک کی تعلیم قصبہ برنالہ صوبہ پنجاب میں حاصل کی۔ جہاں آپ کے والدِ محترم منشی نور الحق رحمہ اللہ بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ آگے مڈل تک کی تعلیم دیوبند شریف میں مکمل کی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ دینیات میں داخل ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ میں یہاں کی تعلیم موقوف کر کے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور مندرجہ ذیل کتب کی تعلیم وہاں حاصل کی۔ تہذیب، نور الایضاح، کافیہ، قطبی تصدیقات، شرح تہذیب، اصول الشاشی، شرح جامی بحث فعل، قدوری نفحۃ الیمن، نور الانوار، میر قطبی، سلم العلوم، کنز الدقائق، شرح وقایہ، مقاماتِ حریری، ملا حسن، مختصر المعانی، سبعہ معلقہ، مناظرۂ رشیدیہ، حسامی، ہدایہ اولین اور ہدیہ سعیدیہ۔

۱۳۴۹ھ، ربیع الثانی میں دوبارہ دارالعلوم میں داخل ہوئے اور اس سال مختصر المعانی، حسامی، ہدایہ اولین، ملا حسن اور میبذی پڑھیں۔ ۱۳۵۰ھ ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، جلالین، نخبۃ الفکر، سراجی اور میبذی (مکرر) کی تحصیل کی۔ ۱۳۵۱ھ میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۲ھ میں فنون کی حسبِ ذیل کتابیں پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔

شمس بازغہ، دیوان حماسہ، شرح عقائد، سبعہ معلقہ، بیضاوی، خیالی، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، شرح چغمینی، تصریح وغیرہ

آپ کے اساتذۂ کرام میں مجاہد عصر شیخ وقت، عارف باللہ، محدث کبیر مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، امام معقولات علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا میاں صاحب اصغر حسین محدث دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مولانا نبیہہ حسن دیوبندی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یٰسین عثمانی رحمہ اللہ (والد مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ) حضرت مولانا رسول خان ہزاروی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبد السمیع رحمہ اللہ، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا محدث مدنی قدس اللہ اسرارہم جیسے اساطین علم و فن اور یگانۂ روزگار علماء و مشائخ شامل ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے؟ اور درست ہے کہ کامل اساتذہ کے تلامذہ بھی کامل ہوتے ہیں۔ تو حضرت مولانا معراج الحق قاسمی رحمہ اللہ کے لیے کمال علمی کی اس سے بڑی سند اور کیا ہو گی۔

یوں تو حضرت صدر المدرسین کو اپنے سب ہی اساتذہ سے بے حد تعلق تھا، لیکن حضرت

امام شیخ مدنی رحمہ، حضرت علامہ بلیاوی رحمہ اور شیخ الادب رحمہ سے والہانہ عقیدت تھی۔ بالخصوص حضرت شیخ الادب رحمہ سے تو آپ بے حد متأثر تھے اور حضرت شیخ ادب رحمہ کی بھی آپ پر خصوصی عنایت تھی۔ اسی لیے حلقۂ دارالعلوم میں آپ اُن کے مخصوص و منتخب تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا اور فرسٹ ڈویژن سے کامیاب ہوئے۔

تعلیمی مرحلوں کی تکمیل کے بعد اپنے اساتذہ و اکابر کے منشاء و منہاج کے مطابق درس و افادہ کو زینت بخشی اور سب سے پہلے مدرسہ ہاشمیہ جامع مسجد زکریا اسٹریٹ بمبئی کو اپنی علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۹ء تک یہاں رہ کر علوم نبوت کے جواہر پاروں سے عروس البلاد کو آراستہ و پیراستہ کرتے رہے آپ کے درس و افادہ کا یہ اوّلین تجربہ تھا جس سے بڑی خوش اسلوبی اور نیک نامی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔ بعد ازاں اپنے اساتذہ کے مشورہ سے اہلِ گلبرگہ کی طلب پر جنوبی ہند کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ دینیہ روضنین گل برگہ سے وابستہ رہے۔ یہاں صدارتِ تدریس کے ساتھ اہتمام کی اہم ترین منصب بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ ان مختلف النوع دونوں اہم ترین و نازک ترین ذمہ داریوں کو تقریبا چار سال تک اس حسنِ خوبی کے ساتھ نبھایا کہ آپ کی علمی و انتظامی صلاحیتوں کے معترف و معتقد خود آپ کے اساتذہ بھی ہوگئے، چنانچہ ۱۹۴۳ء میں آپ کو مادرِ علمی ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں بُلا لیا گیا۔ اس وقت سے حیات کے آخری لمحے تک (تقریباً ۴۸ سال دارالعلوم میں تدریسی خدمات رہیں) دارالعلوم سے وابستہ رہے۔ جو آپ کا گھر بھی تھا اور درسگاہ بھی، دنیا کی تمام آسائشوں سے یکسو ہوکر بس دارالعلوم کو اپنی تمام تر توجہات کا مرکز بنا لیا۔ اس طرح نصف صدی کی طویل مدت دارالعلوم کی خدمت اور طلبہ کی تعلیم و تربیت میں گزار دی۔

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام ہے تیرے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تیری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

۱۹۶۲ء سے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ کے حسب ایماء ان کا قائم مقام بنایا گیا یعنی نائب مہتمم کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آگئی۔ جسے ۱۹۷۳ء تک بالغ نظری و تندہی

کے ساتھ انجام دیا۔ پھر ۱۴۰۲ھ میں مجلسِ شوریٰ دارالعلوم نے صدارتِ تدریس کے عظیم ترین منصب کے لیے آپ کا انتخاب کیا جس پر تادمِ آخر فائز رہے۔

دارالعلوم کی پچاس سالہ عملی زندگی میں مولانا مرحوم نے نحو، بلاغت، ادب، منطق، فلسفہ، فقہ، تفسیر اور حدیث غرض ہر فن کا کامیاب درس دیا جو علوم متداولہ میں آپ کی دستگاہ اور جامعیت کی زندہ شہادت ہے، لیکن اپنے خصوصی استاذ و مربی حضرت شیخ ادب کی طرح آپ کا پسندیدہ موضوع فقہ اسلامی اور قدیم عربی ادب تھا۔ فقہ حنفی کی بلند پایہ کتاب ہدایہ اخیرین کا درس بے تکان دیتے تھے اور اہم سے اہم پیچیدہ مسائل و مباحث کی ایسی دل نشین اور سلجھی ہوئی تشریح کرتے تھے کہ طلبہ کو احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ یہ کوئی اہم اور سخت بحث تھی۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا حبیب الرحمان قاسمی، مولانا مفتی شبیر احمد مرادآبادی، مولانا ابوالعلی فاروقی، مولانا سید امجد مدنی، مولانا محمد سالم قاسمی اور نہ جانے کتنے علماء شامل ہیں جو خدماتِ اسلام انجام دے رہے ہیں اور گمنام زندگی گزار رہے ہیں۔

آپ کے ہمعصر علماء میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ، مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہٗ، حضرت مولانا مرغوب الرحمان مدظلہٗ، موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہٗ، شیخ طریقت حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، حضرت مولانا قاری شریف احمد مدظلہٗ، خطیب الامۃ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ، حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہٗ، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی مدظلہٗ، مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ، مولانا ازہر شاہ قیصرؒ۔ اور مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہٗ شامل ہیں۔

آپ نے اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ سے قائم کیا اور اُن کے تلقین کردہ اوراد و وظائف کے بڑے پابند تھے۔ آخری شب میں اُٹھ جانے کا معمول تھا۔ رمضان المبارک میں تمام رات شب بیداری کا اہتمام کرتے تھے۔

خدا بخشے بڑی خوبیاں تھیں جانے والے میں

آہ! یہ اکابرین کے یادگار، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا معراج الحقؒ، ۲ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

(قسط: اوّل)

تحقیق مسئلہ ایصالِ ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

سلف اُمّت کے متفقہ مسائل سے انکار، اور ائمہ سابقین کی اجتماعی تحقیقات سے بھی اختلاف کرنا زمانہ حال کے "نئے محققین" اور نئی روشنی کے "مجتہدین" کا فیشن سا ہوگیا ہے۔ اِس مہلک علمی بیماری کا (جواب روز بروز عام ہوتی جارہی ہے) سب سے بڑا اور خطرناک ضرر یہ ہے کہ اس نے دین کے عملی نظام کے بہت بڑے حصّے کے متعلق ناواقفوں کے ایک وسیع طبقہ کو سخت شکوک و شُبہات میں مُبتلا کر کے بہت سے مسلّمہ مسائل پر بھی از سرِ نو بحث واستدلال کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ اسی سلسلہ کی کڑی ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ

"انسان کے مرنے کے بعد کسی دوسرے زندہ شخص کی سعی سے اس کو کوئی نفع اور کسی نیک عمل کا ثواب بخشنے سے، بالخصوص اس کے لیے صدقہ وغیرہ کرنے سے کچھ ثواب اُس کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟"

یہ مسئلہ اگرچہ جمہور اُمّت کے نزدیک مسلّم بلکہ معمول بنا رہا ہے اور تفصیلات وجزئیات کے بعض معمولی اختلافات کے باوجود اس پر ائمہ اُمّت کا خَلَفاً عَنْ سَلَفٍ اتّفاق اور اجماع رہا ہے کہ زندوں کے دُعا واستغفار سے اور موتیٰ کے لیے صدقات وغیرہ کرنے سے مُردوں کو نفع ہوتا اور ثواب پہنچتا ہے؛ حاملانِ دین کے تمام وہ طبقے جن کی وساطت سے علمِ دین کی امانت ہم تک پہنچی ہے۔ یعنی فقہاء مجتہدین اور محدثین ومفسّرین سب ہی اس کے قائل ہیں اور اپنے نزدیک قابلِ اتباع دلائل وبراہین کی بنیاد پر قائل ہیں (جیسا کہ مختلف مکاتبِ خیال کی قدیم وجدید فقہی کتابوں اور دفاترِ آثار وروایات سے معلوم ہوتا ہے)، لیکن ہمارے زمانے کے بعض حضرات کو اس سے انکار ہے اور اس انکار میں زیادہ حصّہ ان لوگوں کا ہے، جن کو حدیث کے حجّتِ دینی ہونے پر یقین واعتماد

نہیں ہے۔

اس خیال کے جن مختلف حضرات کی باتیں سُننے کا راقم کو اتّفاق ہُوا ہے ۔ اُن سب ہی کی زبانوں سے استدلال میں قرآن مجید کی وہ آیتیں سُننے میں آئیں جن میں اس اُصول کو مختلف عنوانات سے واضح کیا گیا ہے کہ "انسان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ ملے گا اور جزا و سزا کا دار و مدار اس کے اپنے ہی کردار پر ہو گا۔" مثلاً

① "لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" ② "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" ③ "كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ" ④ "هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ" ⑤ "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" ⑥ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا"

اس قسم کی آیات سے مغالطہ کھانے یا مغالطہ دینے کے علاوہ ان حضرات کے کچھ اور اپنے دماغوں کے بافیدہ خیالات بھی ہیں، جن کو کبھی کبھی "درایت قرآنیہ" کے پُرشکوہ اور مرعُوب کُن عنوانات سے یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ (اس خیال کا ترجمان ایک مضمون "الفرقان" (۷۔۸۹ جلد۔۱۰) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔)

یہ مقالہ جو ان صفحات میں ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے اسی مسئلہ کی توضیح و تقریر سے متعلق ہے اور غرض اس سے صرف اس چیز کو واضح کر کے پیش کر دینا ہے جس کو یہ عاجز دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں حق سمجھتا ہے۔ واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل۔

یہاں یہ چیز بھی صفائی کے ساتھ عرض کر دینی ضروری ہے کہ اس باب میں مَیں صرف اتنی ہی چیز کا قائل اور اسی قدر کا حامی ہوں جتنا کہ اُصولی طور پر دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، باقی صدیوں سے اس بارے میں جو غلو ہو رہا ہے اور عملاً اوّل درجہ کی اہمیّت کا جو مقام اس مسئلہ کو دے دیا گیا ہے (کہ صرف عوام ہی میں نہیں بلکہ بہت سے خواص کالعوام میں بھی فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے) تو یقیناً وہ میرے نزدیک بھی قابلِ انکار ہے اس کے علاوہ تیجے سے لے کر ہر سال کی برسی تک رسموں کا جو لا متناہی سلسلہ ایصالِ ثواب کے ماتحت ایجاد

کیا گیا ہے اور جس طرح ان رسموں کی ادائیگی ہوتی ہے۔ یہ سب تو بلا شبہ از قبیلۂ بدعات و خرافات ہے، اس کا دین و مذہب سے کیا تعلق؟ بلکہ دین کے سر اِن لغویات کو منڈھنا اپنی جہالت اور دین کے ساتھ سخت بدخواہی ہے۔ بہر حال اس مقالہ کی تحریر سے میری غرض ائمہ اُمت کے متفقہ صرف اس اُصولی مسئلہ ہی کی تائید و حمایت ہے کہ

"زندوں کی کوششوں سے مُردوں کو نفع پہنچ سکتا ہے اور "ایصال ثواب" کا نظریہ حق و ثابت ہے۔"

مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے اس مقالہ کو سات بحثوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ حضراتِ منکرین کے خیالات و استدلات پر بحث آخری مبحث میں کی گئی ہے۔ وَمَآ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

مبحث اوّل

دُعا و استغفار برائے اموات

زندوں کے جن مساعی اور اعمال سے مُردوں کو نفع پہنچنا وثائقِ دینیہ سے ثابت ہے اُن میں سے ایک "دُعا و استغفار" ہے۔ اس کا غیر مشکوک ثبوت بے شمار احادیث کے علاوہ خود قرآنِ مجید سے بھی ملتا ہے۔ ایک جگہ اولاد کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں اس طرح دُعا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِىْ صَغِيْرًا

"اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپنے میں پالا پوسا"

اور سورۂ نوح میں حضرت نوح کی یہ دُعا ہم کو سنائی گئی ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔

"میرے مالک مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہیں اُن کو اور سارے ہی مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔"

اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بھی یہ دُعا قرآن مجید ہی میں نقل فرمائی گئی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

" خداوندا! مجھے اور میرے باپ کو اور سارے مومنوں کو بخش دینا جس دن کہ حساب قائم ہو"

ظاہر ہے کہ اِن آیتوں کے لفظ "مومنین و مومنات" میں زندے مُردے اگلے پچھلے سب ہی اہلِ ایمان داخل ہیں اور سُورۂ محمدؐ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی خطاب کر کے ارشاد ہُوا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

"اور اللہ سے بخشش چاہو اپنی تقصیر کی اور ایمان والوں کے لیے اور ایمان والیوں کے لیے"

اور سُورۂ حشر میں "سابقین اوّلین من المہاجرین والانصار" کے بعد میں آنے والے اُن مسلمانوں کی بڑی قدر افزائی کے ساتھ مدح کی گئی ہے جو مومنین سابقین کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعائیں کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (حشر ع ۱)

اور وہ مُسلمان جو آویں اُن کے بعد کہتے ہوں کہ اے ہمارے ربّ بخش دے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ"

اور سورۂ مومن میں عرشِ الٰہی کے حامل فرشتوں اور اسی مقامِ قرب کے دوسرے ملائکہ کے متعلق اطلاع دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ تمام مومنین تو ابین اور اُن کے آباءِ صالحین اور ازواج و ذریات تک کے لیے اللہ سے مغفرت و رحمت کی دُعائیں اور جہنّم سے بچانے اور جنّت میں داخل کرنے کی التجائیں کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (مومن ع ۱)

"جو فرشتے کہ عرش کے حامل ہیں اور جو اس کے گرد رہتے ہیں وہ ربّ کی تسبیح و حمد

کرتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے رب ہمارے تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس تیرے جن بندوں نے تیری طرف رُخ کرلیا ہے اور تیری راہ کو اختیار کیا ہے اُن کو تو بخش دے، دوزخ کے عذاب سے اُن کو بچا اور جن جنّاتِ عالیہ کا تُو نے اُن سے وعدہ کیا ہے اُن میں اُن کو داخل فرما اور اُن کے آباؤ اجداد اور ازواج و ذریات میں سے جو صالح ہیں اُن کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرما۔ تو عزیز ہے، حکیم ہے"

ان آیات سے تمام اہلِ ایمان کے لیے (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) دُعا و استغفار کا ثبوت کسی تقریر و تشریح کا محتاج نہیں بلکہ پہلی آیت سے تو دُعا و استغفار کا صرف ثبوت ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ خاص کر والدین کے حق میں اُس کا منجانب اللہ مامور ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری اور تیسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام مومنین کے لیے استغفار سیّدنا نوح و ابراہیم علیہم السّلام جیسے پیغمبروں کی سُنّت ہے۔

چوتھی آیت میں خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تمام اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ سے دُعائے مغفرت کرنے کا حُکم ہے، پانچویں آیت سے ظاہر ہے کہ اپنے سے آگے جانے والے اہلِ ایمان کے لیے دُعائے مغفرت اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے اور ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص امتیاز حاصل ہے اور چھٹی آیت کا مفاد یہ ہے کہ مومنین صالحین کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعا حاملانِ عرش کا بھی مشغلہ اور تسبیح و تحمید کی طرح گویا وظیفہ ہے۔

اور چونکہ یہ چیز ان آیات قرآنیہ سے صراحتًا ثابت ہے اس لیے مسئلہ "وصول ثواب" سے انکار کرنے والے وہ حضرات بھی جو اس مقالہ کے خصوصی مخاطب ہو سکتے ہیں۔ "دُعا و استغفار للاموات" کے عموماً قائل ہی ملے، البتہ صرف ایک صاحب ایسے ملے جو ان آیات کی بنا پر دُعا و استغفار کے تو قائل ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اُن کا خیال ہے کہ اُس کا فائدہ صرف دُعا یا استغفار کرنے والوں ہی کو ہوگا، گویا اُن کے نزدیک یہ دُعا و استغفار، نماز یا تلاوت قرآن، یا ذکر اللہ کی طرح ایک مستقل عبادت ہے جس کا ثواب اُس کے کرنے والے کو ہی ہوگا۔ اور جس کے لیے دُعا یا مغفرت و رحمت کی التجا کی جائے، اُس کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ یہ اُن کے نزدیک

"لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" جیسی آیات کے خلاف ہے۔

اللہ اکبر! ایک غلطی پر اصرار اور جمود آدمی سے کیسی بڑی سے بڑی غلطیاں کرا دیتا ہے؟ ان حضرات نے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق ایک غلط معنی معین کر رکھے ہیں۔ اب اس کے خلاف قرآن و حدیث میں جو کچھ ان کو ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اُس کی روشنی میں یہ اپنی غلط فہمی کی اصلاح کریں۔ اس کی ایسی رکیک اور غیر معقول تاویلیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے جو بداہتِ عقل کے بھی خلاف ہوں۔ اِن کی "روشن عقلیں" اس لغو اور غیر معقول بات کو ماں لینے کے لیے تو تیار ہو گئی ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی وہ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ قرآنی آیات میں دوسرے اہلِ ایمان کے لیے دُعا و استغفار کا جہاں جہاں ذکر آیا ہے اس سے مراد بس دُعا و استغفار کا وظیفہ پڑھنا ہے اور اُس کا مقصد خود اپنے لیے وظیفہ خوانی کا ثواب حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور جن بے چاروں کے لیے ان دُعاؤں میں مغفرت و رحمت بظاہر مانگی جاتی ہے اُن کو اِس سے کچھ بھی نفع نہیں ہوتا بلکہ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ملحوظ ہی ہوتا ہے، گویا جو کچھ اس دُعاء استغفار کے موقع پر لفظوں میں کہا جاتا اور اللہ پاک سے مانگا جاتا ہے درحقیقت وہ مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ مقصود صرف اس "وظیفہ دعائیہ و استغفاریہ" کا ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اپنی غلط رائے پر بے جا اصرار کر کے بدنتیجہ کی غالباً یہ بدترین مثال ہے کہ اپنے خیالات و مزعومات سے نہ ہٹنے کے لیے آدمی اللہ پاک کی طرف ایسی غیر معقول بات منسوب کرنے کی جرأت کرنے لگے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًاط

ایسے ہٹ دھرموں کو یقیناً ہزار دلیلوں سے بھی مطمئن کیا نہیں جا سکتا۔ اِلّا یہ کہ خدا انہی کو ایسی توفیق دے کہ اپنے اس رویہ پر وہ خود ہی غور کریں، لیکن جو حضرات اپنی رائے اور اپنی ہوٰی کے بجائے اللہ اور رسول کی ہدایت کے اتباع ہی کو اپنا دستور بنائے ہوئے ہیں۔ یہ آیات اُن کے اندر اس بات کا یقین پیدا کرنے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ اہلِ ایمان کے لیے اُن کے مرنے کے بعد بھی مغفرت و رحمت کی دُعائیں اور التحیات اللہ پاک سے کرنا عند اللہ ایک محمود اور مطلوب عمل اور گزر جانے والوں کے ساتھ احسان و ہمدردی کی ایک پسندیدہ شکل ہے جس سے ان "رفتگان" کو انشاء اللہ بہت کچھ نفع ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات بینہ کے علاوہ نماز جنازہ میں اموات کے لیے دُعا و استغفار کرنا اور بعد دفن قبر پر، اور اُس کے بعد بھی اوقاتِ مختلفہ میں بالخصوص قبرستان پر گزرتے ہوئے اہلِ قبور کے لیے مغفرت و رحمت کی دُعا مانگنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیماً و عملاً بتواتر قطعی ثابت ہے (جس کی روایات اگر جمع کی جائیں تو یقیناً سینکڑوں سے متجاوز ہوں گی[1]) اور عہدِ رسالت سے آج تک طبقۃً بعد طبقۃٍ ساری اُمّت کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ غور فرمایا جائے کہ کسی مسئلہ کے حق و ثابت عند اللہ ہونے کا اس سے بڑا معیار اور کیا ہو سکتا ہے

---

[1] حافظ ابن قیمؒ "کتاب الروح" میں اس باب کی چند احادیث صحاح سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَدُعَاءُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْاَمْوَاتِ فِعْلًا وَّ تَعْلِیْمًا وَ دُعَاءُ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ عَصْرًا بَعْدَ عَصْرٍ اَکْثَرُ مِنْ اَنْ یُّذْکَرَ وَاَشْھَرُ مِنْ اَنْ یُّنْکَرَ"۔ (کتاب الروح صفحہ ۱۹۱)

"اور اموات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دُعا فرمانا اور اُمّت کو اس کی تعلیم دینا اور علیٰ ہٰذا صحابہ و تابعین اور بعد کے مسلمانوں کا اپنے اپنے زمانہ میں اموات کے لیے دُعا و استغفار کرنا اتنی کثرت سے منقول ہے کہ بیان میں نہیں آسکتا۔ اور اُس کی شہرت اتنی عام ہے کہ کوئی منکر معاند اس کا انکار بھی نہیں کر سکتا۔"

فاضلین جامعہ سے ضروری اپیل

اراکینِ جامعہ مدنیہ اپنے فارغین درسِ نظامی و قرأت سبعہ و عشرہ اور روایت حفص نیز فارغین طب اور جامعہ میں تکمیل حفظِ قرآنِ پاک کرنے والوں کے لیے بہت بڑے جلسۂ دستار بندی اور تقسیم اسناد کا پروگرام بنا رہے ہیں لہٰذا جمیع فارغین سے درخواست ہے کہ رابطہ کے لیے اپنے موجودہ مکمل پتے فی الفور روانہ کر دیں تاکہ پروگرام طے پا جانے پر بروقت رابطہ کیا جا سکے اگر آپ کو دیگر فارغین کے پتوں کا علم ہو تو وہ بھی روانہ فرمائیں۔

○

نیز شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا السیّد حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ متوسلین اور تلامذہ سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مکمّل تعارف کے ساتھ اپنے مکمّل پتے بھیج ارسال فرمائیں اگر آپ کا فون ہو تو اس کا نمبر بھی تحریر فرمائیں

اسمِ اعظم کیا ہے؟

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

ایک عزیز کے اس مطالبہ پر کہ اسمِ اعظم سے متعلق تمام اقوال یکجا مل جائیں یہ تحریر لکھی ــــ

اسمِ اعظم کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ الدر المنظم فی الاسم الاعظم دستیاب ہے جس میں انہوں نے اسمِ اعظم سے متعلق تمام اقوال کا استیعاب کیا ہے۔ اسی رسالہ سے تمام اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

① اسمِ اعظم کا کوئی وجود نہیں ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کے تمام ہی اسماء عظیم ہیں ایک نام کو دوسرے پر فضیلت دینی جائز نہیں ہے۔ یہ قول ابوجعفر طبری، ابوالحسن اشعری، ابوحاتم ابن حبان اور قاضی ابوبکر باقلانی رحمہم اللہ کا ہے ـــــ اسی جیسا قول امام مالک رحمہ اللہ کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک جن روایتوں میں اسمِ اعظم کا ذکر آیا ہے، اُن میں اعظم سے مراد عظیم ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ روایتوں میں وارد اعظمیت سے مراد زائد ثواب ہے، یعنی ان کلمات کے ساتھ دعا کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔

② اسمِ اعظم کونسا ہے؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اس کا علم نہیں دیا۔

③ "ھو" ہے امام فخر الدین رحمہ اللہ نے یہ قول بعض اہلِ کشف کا نقل کیا ہے۔

④ یہ "اللہ" ہے کیونکہ ایک تو اس کا کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ دوسرے تمام اسمائے حسنیٰ میں یہ اسم اصل ہے۔ اسی وجہ سے تمام اسمائے حسنیٰ کی اضافت و نسبت اسم "اللہ" کی طرف کی جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم کی تفسیر میں جابر بن عبداللہ بن زید کا قول منقول ہے کہ اللہ کا اسم اعظم "اللہ" ہے کیا تم نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

(i) ابن ابی الدنیا کتاب الدعاء میں شعبی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ کا اسم اعظم "یا اللہ" ہے۔

⑤ یہ "اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کے اور اللہ کے اسم اکبر (اعظم) کے درمیان صرف اتنا قرب ہے جتنا کہ آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان ہے۔

(ii) دیلمی کی مسند فردوس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم سورۂ حشر کی آخری چھ آیتوں میں ہے۔

⑥ یہ "الرحمٰن الرحیم الحی القیوم" ہے۔ ترمذی وغیرہ میں اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا اسمِ اعظم ان دو آیتوں میں ہے (ایک) وَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اور (دوسری) سورہ آل عمران کی پہلی آیت اللہ لا إلہ الا ھو الحی القیوم۔

⑦ یہ "الحی القیوم" ہے۔ ابن ماجہ اور حاکم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا) اسم اعظم تین سورتوں میں ہے۔ بقرہ میں آل عمران اور طٰہٰ میں۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے راوی قاسم کہتے ہیں کہ مَیں نے اسمِ اعظم کو ان تین سورتوں میں تلاش کیا تو مَیں نے پہچانا کہ یہ "الحی القیوم" ہے۔

⑧ "اَلْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" ہے۔ احمد، ابوداؤد

ابن حبان اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ پھر (نماز کے بعد) اس نے دُعا کی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنَّ لَکَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا انہوں نے اللہ سے اس کے اس عظیم نام کے ساتھ دُعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ اللہ سے دُعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دُعا کو قبول فرماتے ہیں اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

(۹) یہ "بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" ہے۔ ابویعلیٰ نے سری بن یحییٰ کے واسطے سے بنوطئ کے ایک قابلِ تعریف شخص کی حکایت نقل کی کہ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتا رہتا تھا کہ مجھے اسمِ اعظم دکھا دیں تو مَیں نے آسمان میں ستاروں پر یہ لکھا ہُوا دیکھا "یا بدیع السمٰوات والارض یا ذا الجلال والاکرام"

(۱۰) "ذوالجلال والاکرام" ترمذی میں معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو یا ذوالجلال والاکرام کہتے سُنا تو فرمایا تمہاری دُعا قبول ہُوئی لہٰذا مانگو۔

(۱۱) "اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ" ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو یُوں دُعا مانگتے سُنا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ تو آپ نے فرمایا تم نے اللہ سے اس نام کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جب اللہ سے اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں اور جب اس کے ساتھ دُعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ دُعا قبول فرماتے ہیں۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں تم نے اللہ سے اس کے اسمِ اعظم کے ساتھ سوال کیا۔

(۱۲) "رَبِّ رَبِّ"۔ حاکم نے ابوالدرداء اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا کہ اللہ کا اسمِ اعظم "رَبِّ رَبِّ" ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعًا اور موقوفًا نقل کیا کہ جب بندہ یا رب رب کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لے میرے بندے میں موجود ہُوں، تو سوال کر

تجھے عطا کیا جائے گا۔

(۱۳) "مالک الملک"۔ طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں سند ضعیف کے ساتھ ابنِ عباسؓ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا وہ اسمِ اعظم کہ جب اس کے ساتھ دُعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ آل عمران کی اس آیت میں ہے "قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ... وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ" تک۔

(۱۴) "حضرت یونس علیہ السّلام کی دُعا"۔ ابن ابی حاتم نے کثیر بن معبد کا قول نقل کیا کہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اللہ کے اسمِ اعظم کے بارے میں سوال کیا تو اُنھوں نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے، یعنی مچھلی والے کی دُعا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

حاکم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا نقل کیا کہ (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) کیا میں اللہ کے اسمِ اعظم یعنی یونس علیہ السلام کی دُعا کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کروں۔ تو ایک شخص نے پوچھا کیا وہ خاص یونس علیہ السّلام کے لیے تھی، تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سُنا وَ نَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(۱۵) "کلمہ توحید" یہ قول قاضی عیاضؒ نے نقل کیا ہے۔

(۱۶) زین العابدین رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ وہ اُن کو اسمِ اعظم سکھا دیں تو خواب میں دیکھا کہ اسمِ اعظم یہ ہے "اللہ اللہ اللہ الذی لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ"

(۱۷) یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں مخفی ہے۔

(۱۸) یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر وہ نام ہے کہ جس کے ساتھ بندہ اپنے رب سے پُورے استغراق کے ساتھ دُعا کرے کہ اس حالت میں کسی اور کی طرف خیال نہ ہو کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کو اس حالت میں پُکارے تو اس کی دُعا قبول ہونے کے قریب ہوتی ہے۔

(۱۱) ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا کہ ایک شخص نے بایزید بسطامیؒ سے اسمِ اعظم کے بارے میں پُوچھا، تو اُنھوں نے فرمایا اس کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے تمہارے دل کا خالی ہونا ہے۔... الخ

(۱۲) ابو نعیم نے ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ مَیں نے بعض مشائخ سے اللہ کے

اسمِ اعظم کے بارے میں پُوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ کیا تمہیں اپنے قلب کی معرفت حاصل ہے میں نے جواب دیا کہ جی ہاں، تو اُنھوں نے کہا کہ جب تم اپنے دل کو دیکھو کہ وہ (پوری طرح متوجہ ہے اور نرم ہے تو اللہ سے اپنی حاجت مانگو۔ یہی (کیفیت) اللہ کا اسم اعظم ہے۔

(۷) ابونعیم نے نقل کیا کہ ایک شخص نے ابن ربیع سائح رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے اسمِ اعظم سکھا دیجیے، تو اُنھوں نے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کی اطاعت کر وہ تمہیں ہر چیز عطا کرے گا۔"

(۱۹) "اَللّٰھُمَّ" زرکشی نے اس کو جمع الجوامع کی شرح میں نقل کیا ہے اور یہ دلیل لائے کہ اللہ کا لفظ ذات پر دلالت کرتا ہے اور میم ننانوے صفات پر دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ مجمع دُعا ہے۔

(۲۰) الٓمٓ۔ ابن جریر نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا کہ الٓمٓ اللہ کا اسم اعظم ہے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بقیہ: درسِ حدیث

یہ بالکل جائز ہے ہی نہیں کہ روپیہ پیسہ ذرا بھی جمع رکھا جائے۔ وہ اس کے قائل تھے۔ یہاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رض نقل فرماتے ہیں۔ لَوْ كَانَ لِيْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ اَلَّا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ۔ مجھے اس بات پر یقیناً خوشی ہو گی کہ تین راتیں نہ گزرنے پائیں کہ میں سب بانٹ دوں "میرے پاس اس میں سے کچھ بھی بچا نہ ہو — اُحد ایک پہاڑ ہے پہاڑ کے برابر بہت بڑی چیز ہوتی ہے پہاڑ یہ جو پتھر کاٹتے ہیں سرگودھے میں یہ اَب تقریباً چالیس سال کے قریب ان لوگوں کو ہو گئے ہیں نظر تو یہ آتا ہے کہ یہ چھوٹے موٹے پہاڑ ہیں، لیکن انھی میں سے وہ کاٹ کاٹ کر لا رہے ہیں - کریشر لگے ہوئے ہیں اور گاڑیوں کی گاڑیاں بھری ہوئی آتی ہیں اور سڑکیں بنتی ہیں اور کیا کیا ہوتا ہے اور پورے سیزن ہوتا ہے۔ مارچ تک ساری سردیاں وہ توڑتے رہتے ہیں اور پہاڑ پھر ویسے کا ویسے ہی۔ اس سے مثال دی ہے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اسلام میں گویا انتہائی زور دیا گیا ہے کہ لوگ دوسرے لوگوں کا خیال کریں اور جس کے پاس مال ہے وہ دوسروں کو تقسیم کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔

محدّثِ کبیر
حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس سرہٗ

حکیم نُور احمد

مولانا محترم سے میرے مراسم بطور طبیب چالیس سال سے زائد عرصہ رہے: آپ ایک اَن تھک کارکردگی کے مالک تھے۔ بندہ اب انشاء اللہ نوے سال کی عمر تک شاید زندگی کی بہاریں دیکھے۔ قریباً ستّر سال سے مریضوں کی طبّی خدمات انجام دے رہا ہوں۔ بفضلہ ہزارہا مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔ میرے برسوں لمبے معالجاتی تجربہ میں دن بدن معاشرہ رات دیر سے سونے کو پسند کر رہا ہے۔ بین الاقوامی دُنیا کا زیادہ حصّہ صُبح کافی دن چڑھے اُٹھنے کا عادی ہو رہا ہے۔ روزمرّہ درجنوں مریض یہی شکایت کرتے ہیں کہ رات کے پہلے حصّے نیند آتی ہی نہیں۔ آدھی رات گزرنے پر آنکھ لگنی شروع ہوتی ہے۔ صُبح بمشکل سات آٹھ بجے جاگ آتی ہے۔ یہ بندگانِ خدا یہ بھی کہتے ہیں کہ دن کا کافی حصّہ غنودگی کی حالت میں گزر جاتا ہے۔ حکیم صاحبان کی تحقیق کے مطابق مغرب کی نماز کے بعد آدھی رات بارہ بجے تک گہری نیند کا وقت ہے، اس وقت کی ایک گھنٹہ نیند رات کے بارہ بجے کے بعد کی دو گھنٹے کی نیند کے برابر ہوتی ہے۔ قانون دان اور پولیس انتظامیہ کی تحقیقات کے مطابق ڈکیتی اور بڑی چوریاں رات کے پہلے حصّے میں ہی زیادہ تر ہوتی ہیں۔ مار دھاڑ اور قتل کی وارداتیں بھی عموماً رات کے پہلے حصّے میں ہی ہوتی رہتی ہیں۔ میرے مطب واقع عبدالکریم روڈ میں آنے والے اکثر مریض یہ شکایت کرتے ہیں کہ رات عموماً پریشان خیالی اور خوابوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ دن کے وقت دکان یا دفتر میں بیٹھے اونگ کے جھونکے بہت پریشان کرتے ہیں۔ بین الاقوامی دُنیا میں چند گنتی کے انسان آپ کو نظر آئیں گے جو رات کو کم سونے کے باوجود دن کے وقت ڈٹ کر کام بھی کرتے ہوں ۔

پاکستان کے ایک وزیرِ اعظم حسین شہید سہروردی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ رات دو گھنٹے ہی سوتے تھے

اُن کی دن کی اَن تھک کارکردگی ایک ریکارڈ کی حیثیّت رکھتی ہے۔ حضرت مولانا حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات کا اکثر حصّہ جاگنے کے باوجود دن بھر خُوب ڈٹ کر درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خداوند کریم نے اُن کی عبادت اور خلوص کے صدقے پنجاب کے دل لاہور شہر کے کثیر الآباد علاقے میں دینی مدرسے کے لیے ایک وسیع طویل و عریض قطعہ زمین عطا فرما دیا۔ خُدا کے فضل سے یہ مدرسہ ملک بھر کے عظیم الشّان دینی مدارس میں شمار ہوتا ہے۔ مدرسہ کی عظیم الشان حد بندی اور عمارت اپنی مثال آپ ہے ——————

حضرت مرحوم کی دُعا سے مدرسہ ایک درجے کی پرائیویٹ یونیورسٹی کی حیثیّت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا ممدُوح نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر عمل پیرا ہوتے ہُوئے اس عظیم الشّان دینی مدرسہ کو حکومتِ وقت کی سرکاری امداد کے بغیر ایک قابلِ قدر دینی چشمہ فیض بنا دیا ہے۔ پنجاب کے دِل لاہور کے باسی دینی علوم کے بہت قدر دان ہیں۔ اس عروس البلاد شہر میں درجنوں چھوٹے اور دو بہت بڑے عظیم الشّان دینی مدارس جامعہ مدنیہ اور جامعہ اشرفیہ بین الاقوامی دُنیا کے مُسلمانوں کو دینی علوم سے فیض یاب کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں مرحوم مولانا حامد میاں صاحب کی ایمانی بلندی اور باطنی نورانی شعاعوں کے صدقے لاہور جیسے شہر میں اس قدر وسیع قطعہ اراضی کا حصولِ ممکن ہُوا۔ جناب مولانا صاحب کی مستقل مزاجی دیکھیے کہ ابتدا میں لوہاری دروازے والی مسجد میں قدم رکھا۔ وہاں مسجد کے باہر ملحقہ اراضی پر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا انار کلی کی ایک مسجد میں درسِ قرآن اور وعظ کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ حضرت مولانا کا پُرخلوص اور عالمانہ اندازِ بیان مقبول عام کا درجہ حاصل کر گیا۔ لاہور کے طول و عرض کے متلاشیانِ حق کثیر تعداد میں شمولیت کر کے فیض حاصل کرنے لگے۔ لاہور جیسے کثیر آبادی والے شہر میں اتنی بڑی زمین کا دینی درسگاہ کے لیے حاصل ہونا حضرت کی ایمانی حرارت سے ہی آسان ہوا۔ آج خدا کے فضل سے جامعہ مدنیہ اس شہر کی بلندی اور عظمت میں چار چاند لگا رہا ہے۔ دُنیا بھر کے اسلامی ملکوں کے دینی تعلیم حاصل کرنے والے سینکڑوں طالب علم اس چشمۂ نُور و ہدایت سے فیض یاب ہو کر ہر سال دُور دراز ملکوں میں جا رہے ہیں۔ اس دینی درس گاہ کے بانی حضرت مولاناؒ نے ایک ماہانہ دینی رسالہ بنام "انوارِ مدینہ" بھی جاری فرمایا تھا۔ خُدا کے فضل سے اب مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا رشید میاں صاحب مدظلہٗ نے دوبارہ اس کا اجرا کر دیا ہے

حضرت نے طالبانِ حق کے ایمانی جذبے کو روشن کرنے کے لیے مجلسِ ذکر کا بھی سلسلہ جاری فرمایا تھا۔ خوشی کی یہ بات ہے کہ اب مولانا رشید میاں صاحب مدظلہ نے بھی اس فیضِ عام کے چشمے کو جاری رکھا ہوا ہے۔ انشاء اللہ دینی علوم اور نورِ باطن کی یہ تجلیاں طالبان رشد و ہدایت کی پیاس بجھاتی رہیں گی۔ بارگاہ رب العزّت کی جناب میں میری پُر زور دُعا ہے کہ جامعہ مدنیہ دن دوگنی اور چار چوگنی ترقّی کرے۔ آمین۔

بقیہ: مزاح اور اصلاح

چونکہ یہ تماشا قریب بیٹھے ہوئے سب حضرات دیکھ رہے تھے، ایک صاحب سے صبر نہ ہوسکا۔ اور غصّے میں کیلے کھانے والے سے مخاطب ہوکر کہا میں نے بڑے بڑے ڈھیٹ دیکھے تھے، مگر تمہارے جیسا ڈھیٹ نہیں دیکھا تھا۔ اُس شخص کا بولنا بارش کے پہلے قطرہ کی طرح تھا کہ سب دیکھنے والوں نے ملامت و مذمّت کی بارش شروع کردی۔ وہ شخص کچھ دیر تو اپنی کھلی حماقت کے سبب خاموش رہا، مگر جب دشنام کے تیر اُسے زیادہ مجروح کرنے لگے تو مزید حماقت کا ثبوت دینے کا اُس نے ابھی آغاز ہی کیا تھا کہ میں نے سب کو روکا کہ مبادا اس کی ٹھکائی کردیں اور بات بڑھ جائے، میں نے کہا دوستو، چھوڑو اس کے ساتھ بہت ہولی، اُمید ہے، آئندہ کے لیے اس کو سبق حاصل ہوگیا ہوگا۔ اُس نے بھی اِسی میں عافیت سمجھی اور خاموش ہوگیا۔ جب ہم خاموشی سے سفر طے کر رہے تھے تو میں یہی سوچتا رہا کہ اکثر فتنے جہالت اور انا کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اے کاش ہمارے مُلک کا بچّہ بچّہ صحیح تعلیم اور اسلامی اخلاق سے بہرہ ور ہوجائے، مگر ایسا تو تب ہوسکتا ہے کہ زمام حکومت اہلِ علم اور اہلِ ورع کے ہاتھوں میں ہو اور وہ ہمارا نظامِ تعلیم و تربیت اسلامی احکام کے مطابق رائج کریں۔ اے کاش ایسا ہوجائے۔ (آمین)

بقیہ: معراج الحق قاسمیؒ

۱۴۱۲ھ بمطابق ۱۸/اگست ۱۹۹۱ء یک شنبہ کو صبح سوا دس بجے ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہوگئے۔ اور اپنے پیچھے ہزاروں شاگردوں اور بے شمار عقیدت مندوں کو چھوڑ گئے۔ جو اُن کی یاد میں مدّتوں اشک بار و دل فگار رہیں گے۔ آپ کو خطۂ قاسمی میں سُپردِ خاک کردیا گیا۔ اللہ رب العزّت مغفرت فرمائے، اور درجات بلند فرمائے۔ دارالعلوم کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے۔

بستیاں کر کے چلائیے ویراں
اپنی دُنیا بسائیں گے یہ لوگ

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اسلام اور اکلِ حرام قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں متعدد مقامات پر حرام سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (۲ : ۱۸۸)

اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے۔ (ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

ایک اور مقام پر یُوں ارشاد فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ الآیۃ (۴ : ۲۹)

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق، مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے، (ترجمہ، حضرت شیخ الہندؒ)

ان آیات کریمہ میں حرام طریقوں سے مال حاصل کرنے اور اُن کے استعمال کرنے کی ممانعت ذکر کی گئی ہے۔

اکلِ حرام کی نحوستیں جس طرح حلال کھانے کی بڑی برکتیں ہیں اسی طرح حرام کھانے کی بہت سی نحوستیں ہیں، حرام کھانے سے

(۱) اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ملتی۔

(۲) اگر کرے بھی تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔

(۳) اعمال قبول نہیں ہوتے۔
(۴) دُعا قبول نہیں ہوتی۔
(۵) مال میں برکت نہیں رہتی۔
(۶) حرام سے بجائے اچھّے اعمال کے بُرے اعمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔
(۷) حرام کھانے والا جنّت میں نہ جائے گا۔
(۸) حرام سے پلنے والے گوشت کے لیے جہنّم ہی لائق و سزاوار ہے۔
(۹) حرام کھانے والے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ناراض ہیں۔

مذکورہ بالا چیزوں کو ہم کتاب و سُنّت اور بزرگانِ دین کے واقعات کی روشنی میں ذرا تفصیلاً ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حرام کھانے سے اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ملتی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حرام سے بچنے اور حلال کے حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم نے مختلف مقامات میں مختلف عنوانات سے تاکیدیں فرمائی ہیں۔ ایک آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق میں بہت بڑا دخل حلال کھانے کو ہے۔ اگر اس کا کھانا پینا حلال نہیں تو اس سے اخلاقِ حمیدہ اور اعمالِ صالحہ کا صدور مشکل ہے، ارشاد ہے۔

يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ

یعنی اے گروہ انبیاء حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، مَیں تمہارے اعمال کی حقیقت سے واقف ہوں۔

اس آیت میں حلال کھانے کے ساتھ عمل صالح کا حکم فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ اعمالِ صالحہ کا صدور جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ انسان کا کھانا پینا حلال ہو۔" [۱]

(۲) اگر اعمال کرے بھی تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی

علامہ شہاب الدین احمد بن احمد بن سلامۃ قلیوبی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) کے بارے میں یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اُنہوں نے کئی سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی لیکن عبادت کا مزہ اور لذّت نہ پائی تو والدہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ اماں جان مجھے عبادت وطاعت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی، آپ ذرا غور کیجیے کہیں ایسا تو نہیں ہُوا کہ جب مَیں پیٹ میں تھا یا دودھ پیتا تھا۔ اس زمانہ میں آپ نے کوئی حرام چیز کھالی ہو؟ اُنہوں نے بہت دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ بیٹا جب تم میرے پیٹ میں تھے تو ایک دفعہ ایسا ہُوا تھا کہ میں چھت پر چڑھی تو وہاں ایک مرتبان نظر پڑا جس میں پنیر تھا میرا پنیر کھانے کو جی چاہا، تو مَیں نے اس میں سے انتہائی معمولی سا پنیر اُس کے مالک کی اجازت کے بغیر کھا لیا تھا، حضرت بایزیدؒ نے کہا کہ بس یہی وجہ ہے مجھے عبادت میں حلاوت محسوس نہ ہونے کی، برائے کرم آپ مرتبان کے مالک کے پاس جائیے اور اُسے یہ سارا قصہ سُنائیے، چنانچہ وہ اس کے پاس گئیں اور اُسے سارا قصہ سُنایا، اس نے کہا کہ وہ مَیں نے تمہارے لیے حلال کیا (یعنی معاف کردیا) آپ نے واپس آکر اپنے صاحبزادے (حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ) کو اس کی اطلاع دی، اس کے بعد آپ کو طاعت وعبادت میں حلاوت محسوس ہونے لگی۔"[۱]

③ حرام کھانے سے اعمال قبول نہیں ہوتے

حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اُس میں ایک درہم حرام کا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائیں گے جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔"[۲]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے یہ آیت مُبارکہ تلاوت کی گئی یَآ اَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا۔ تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ تعالیٰ سے دُعا کیجیے کہ میں مُسْتَجَابُ الدَّعْوَات بن جاؤں (یعنی جو دُعا مانگا کروں قبول ہوجایا کرے) آپ نے فرمایا اے سعد! اپنا کھانا حلال اور پاکیزہ بنالو مُسْتَجَابُ الدَّعْوَات بن جاؤ گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت

---

[۱] قلیوبی عربی ص: ۳۷، [۲] مشکوٰۃ ص: ۲۴۳

میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس کا گوشت حرام مال سے بنا ہو اُس گوشت کے لیے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔"[1]

(۴) حرام کھانے سے دُعا قبول نہیں ہوتی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "بے شک اللہ پاک ہے اور وہ پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ (پھر فرمایا کہ) بلاشبہ (حلال کھانے کے بارے میں) اللہ جل شانہ نے پیغمبروں کو جو حکم فرمایا ہے وہی مومنین کو حکم فرمایا ہے چنانچہ پیغمبروں کو خطاب کرتے ہُوئے فرمایا کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو اور مومنین کو خطاب کرتے ہُوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں۔ اُن میں سے کھاؤ۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر رہا ہو، اس کے بال بکھرے ہُوئے ہوں جسم پر گرد و غبار اَٹا ہوا ہو اور وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یا ربّ یا ربّ کہہ کر دُعا کرتا ہو، یہ شخص دُعا تو کر رہا ہے اور حال یہ ہے کہ مَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَّ مَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَّ غُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام ہے اور اس کو حرام غذا دی گئی ہے، پس ان حالات کی وجہ سے اس کی دُعا کیوں کر قبول ہوگی۔"[2]

کوفہ میں مستجاب الدعوات لوگوں کی ایک جماعت

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مؤرخین نے لکھا ہے کہ کوفہ میں مستجاب الدعا لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب کوئی حاکم اُن پر مسلّط ہوتا اس کے لیے بددُعا کرتے وہ ہلاک ہو جاتا، حجاج ظالم کا جب وہاں تسلّط ہوا تو اُس نے ایک دعوت کی جس میں ان حضرات کو خاص طور سے شریک کیا اور جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو اُس نے کہا کہ میں اُن لوگوں کی بددُعا سے محفوظ ہو گیا کہ حرام کی روزی اُن کے پیٹ میں داخل ہو گئی۔"[3]

---

[1] تفسیر القرآن العظیم: لابن الکثیر عربی جلد ۱ ص: ۲۰۳ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص: ۳۲۶ [3] فضائلِ رمضان ص: ۲۸۔

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا واقعہ

علامہ شہاب الدین احمد قلیوبی شافعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں۔

"حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۳ھ) کے متعلق حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جبکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ انہوں نے ایک شخص سے کھجوریں خریدیں اتفاق سے دو کھجوریں ان کے پاؤں کے درمیان زمین پر گر پڑیں۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ میری خریدی ہوئی کھجوروں میں سے گری ہوں گی، وہ کھجوریں زمین سے اُٹھا کر کھالیں۔ پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، وہاں آپ "قُبَّۃُ الصَّخْرَۃ" میں داخل ہوئے (دوسرے لوگ چلے گئے) اور آپ تنہا وہاں رہ گئے، وہاں دستور یہ تھا کہ قبہ میں جو کوئی ہوتا اُسے وہاں سے عصر سے پہلے نکال کر خالی کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ عصر کے بعد سے لے کر رات بھر فرشتوں کے لیے مخصوص رہے، چنانچہ منتظمین نے لوگوں کو قبہ سے نکال دیا۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ چھپ گئے اور لوگ انہیں نہ دیکھ سکے، اس طریقے سے آپ رات اس قبہ کے اندر ہی رہے، رات کو فرشتے آئے تو بولے کہ یہاں کوئی بنی آدم (انسان) معلوم ہوتا ہے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ خراسان کے عابد ابراہیم بن ادہم معلوم ہوتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ ہاں وہی ہیں، تیسرا بولا یہ وہی شخص ہیں کہ ہر روز ان کے اعمال قبول ہو کر اُوپر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ چوتھا بولا بات تو یہی ہے، مگر ایک سال سے ان کی عبادت (اُوپر جانے) سے موقوف ہو گئی ہے اور اتنی مُدت اُن کی دُعا بھی قبول نہیں ہوئی اور سبب اس کا وہ دو کھجوریں بنی ہیں (جو انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنی سمجھ کر زمین سے اُٹھا کر کھالی تھیں) پھر یہ فرشتے اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ صُبح صادق ہو گئی دربان آیا اُس نے قُبہ کا دروازہ کھولا، جناب ابراہیمؒ نکلے اور سیدھے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اسی دُکان کے دروازے پر آئے دیکھا کہ ایک نوجوان کھجوریں بیچ رہا ہے، آپ نے اُس سے فرمایا کہ پچھلے سال یہاں ایک بڑے میاں کھجوریں بیچتے تھے وہ کہاں گئے؟ اس نے کہا کہ وہ تو فوت ہو گئے، آپ نے اُسے سارا قصّہ سُنایا، اس نے کہا کہ ان دونوں کھجوروں میں سے میرا حصّہ تو آپ کے لیے حلال ہے (یعنی میں نے معاف کیا) البتہ میری ایک بہن اور والدہ ہیں۔ آپ نے پُوچھا کہ وہ کہاں ہیں اُس نے کہا کہ وہ گھر میں ہیں، آپ اُن کے گھر تشریف لائے اور دروازہ کھٹکھٹایا، ایک بڑی بی لاٹھی سے سہارا

لیتی ہوئی باہر نکلیں، آپ نے اُنہیں سلام کیا۔ بڑی بی نے سلام کا جواب دے کر پُوچھا کہ کیسے آنا ہُوا؟ آپ نے اُنہیں بھی سارا قصّہ سُنایا۔ بڑی بی نے کہا کہ میرا حصّہ بھی آپ کے لیے حلال ہے پھر آپ نے اُس کی بیٹی سے بھی اس کا حصّہ حلال کروایا، اور پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، اور اسی طرح قُبہّ میں داخل ہوکر رات گزاری۔ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے یہ ابراہیم بن ادہم ہیں جن کے ایک سال سے اعمال اُوپر جانے موقوف ہوگئے تھے اور اُن کی دُعا قبول نہیں ہوتی تھی، اَب جبکہ یہ وہ کھجوریں معاف کرا آئے ہیں تو اُن کے اعمال بھی قبول ہونے لگے اور دُعا بھی، اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اُن کے درجہ کی طرف لوٹا دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ یہ سُن کر خوشی کے مارے رو پڑے اور آپ کا یہ حال ہوگیا کہ آپ پے دَر پے روزے رکھنے لگے صرف ساتویں دن رزق حلال سے روزہ کھولتے تھے۔[1]

⑤ حرام سے مال میں برکت نہیں رہتی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "جو کوئی بندہ حرام مال کمائے گا، پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس کے لیے اس میں برکت نہ ہوگی اور مال حرام کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا تو یہ مال اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی کے ذریعے نہیں مٹاتے، لیکن بُرائی کو نیکی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بلاشُبہ خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا۔"[2]

آج کل برکت نہ ہونے کا ہر شخص مشاہدہ کر رہا ہے، اموال واسباب سب کچھ موجود ہیں لیکن پُوری نہیں پڑتی۔

⑥ حرام سے بجائے اچھے اعمال کے بُرے اعمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۱۳۰۲/ ۱۸۸۴ء) فرماتے تھے کہ "ایک رئیس کے یہاں سے لڈّو آئے ایک

[1] قلیوبی عربی ص ۲۹۔ یہ واقعہ حضرت ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے بھی اپنے رسالہ قشیریہ میں ذکر کیا ہے۔

[2] مشکوٰۃ شریف ص: ۲۴۲

میں نے کھالیا، وہ کھاتے ہی قلب میں سخت ظلمت پیدا ہوئی اور ہر وقت یہ وسوسہ پیدا ہوتا تھا کہ کوئی خوبصورت عورت ملے کہ اس سے زنا کروں؟ اسی حالت میں ایک مہینہ گزر گیا۔ میں روتا اور توبہ کرتا تھا کہ الٰہی یہ کیا ہوگیا۔"[1]

انتہائی عبرت کا مقام ہے کہ حرام کے ایک لڈو سے یہ حالت پیدا ہوئی، ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم تو مبتلا ہی مشکوک و مشتبہ رزق میں ہیں۔ یہ تو چونکہ اللہ والے تھے انہیں اس چیز کا ادراک ہوگیا۔ ہمارے قلوب میں چونکہ ظلمت بھری ہوئی ہے اس لیے ہمیں اس چیز کا ادراک نہیں ہوتا۔

⑦ حرام کھانے والا جنّت میں نہ جائیگا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ[2]

جنّت میں وہ جسم داخل نہیں ہوگا جس کو حرام سے غذا دی گئی ہو۔

⑧ حرام سے پلنے والے گوشت کیلئے جہنّم ہی لائق و سزاوار ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِهٖ"[3]

جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا بڑھا ہو اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اس کے زیادہ مستحق ہے۔

⑨ حرام کھانے والے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم دونوں ناراض ہیں

حرام مال کھانے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی ظاہر ہے اور یہ ناراضگی ہی کے اثرات ہیں کہ ایسے شخص کو اوّل تو اچھے اعمال کی توفیق ہی نہیں ملتی، کرے تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی، اعمال قبول نہیں ہوتے۔ (یعنی اعمال کے کرنے پر ثواب نہیں ملتا گو فرض ساقط ہوجاتے) دعا قبول نہیں ہوتی مال میں برکت نہیں رہتی، اچھے کام کرنے کے بجائے، بُرے کام میں جی لگتا ہے، مرنے کے بعد جنّت

---

[1] قصص الاکابر بحصص الاصاغر ص: ۱۷۰ [2] مشکوٰۃ ص: ۲۴۳ [3] مشکوٰۃ ص: ۲۴۲ -

میں جانے کے بجائے جہنم میں جاتا ہے۔ دگو کہ سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے چھٹکارا مل جائے، آج کل ایسا دَور جا رہا ہے کہ کسی کو اس چیز کی فکر نہیں کہ حلال کھا رہا ہے یا حرام شاید ایسے ہی دَور کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا۔ "یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یُبَالِی الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِّنَ الْحَرَامِ"[۱] لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں آدمی کو اس چیز کی بالکل پرواہ نہیں ہوگی کہ اُس نے کس ذریعے سے مال حاصل کیا ہے حرام ذریعہ سے یا حلال ذریعہ سے

صرف اسی پر بس نہیں اب تو انتہائی خطرناک صورت حال یہ پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ حرامِ صریح کو حلال سمجھ کر کھانے لگے ہیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس پیشین گوئی کو پورا کر رہے ہیں جس میں آپ نے فرمایا تھا۔

"سب سے پہلے اسلام کو بگاڑنے کی کوشش کی جائے گی کہ شراب پئیں گے! صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ مسلمان شراب پئیں گے؟ حالانکہ خدا نے اسے سختی سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا نام بدل کر حلال کرلیں گے"[۲]

اس کے برعکس ہمارے اسلاف کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی مشکوک و مشتبہ چیز پیٹ میں چلی جاتی تو قے کر کے اُسے نکالتے تھے اور بہت سی حلال چیزوں کو محض شُبہ کی وجہ سے استعمال نہ کرتے تھے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (متوفیٰ ۵۰۵ھ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "کُنَّا نَدَعُ تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ اَنْ نَّقَعَ فِی الْحَرَامِ"[۳]

ہم حلال اشیاء کے دس حصّوں میں سے نو حصّے محض اس لیے چھوڑ دیتے ہیں (استعمال نہیں کرتے) کہ کہیں حرام میں نہ جا پڑیں۔

اسمِ اعظم

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۷۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ "حضرت ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ کو اسمِ اعظم معلوم ہے بیان فرمائیے کونسا نام اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ "معدہ کا لقمۂ حرام سے خالی رکھنا اور دل کو محبتِ دُنیا سے خالی کرنا ہی اسم اعظم ہے۔

[۱] بخاری ج ۱ ص ۲۷۶ [۲] مسند دارمی ج: ص: [۳] احیاء علوم الدین ج: ۲ ص: ۹۵

اس کے بعد جس نام سے اللہ تعالیٰ کو پکارو گے وہی اسم اعظم ہوگا۔" [1]

اس دور میں گو حرام سے بچنا اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر بہت مشکل ہے، تاہم ہمیں چاہیے کہ اوّل تو حرام کو حرام سمجھیں، دوسرے جس حد تک حرام سے بچنا ممکن ہو بچنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں حلال کھانے حرام سے بچنے اور اسلاف کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ: شہر بصرہ کے مایہ ناز تابعی

تعالیٰ کی محبّت کے لُطف نے مجھ پر تمام مصیبتوں کو آسان کر دیا ہے اور محبوبِ حقیقی کی مقدر کی ہوئی تمام باتوں پر مجھ کو رضامند کر دیا ہے۔ کوئی بات ناگوارِ خاطر ہی نہیں ہوتی۔ اور اس کی محبّت کے مشغلہ میں مجھ کو پروا ہی نہیں ہوتی کہ کس حالت میں صبح ہوئی اور کیسی حالت میں شام لوگوں کو اپنے اپنے کاروبار میں لگا ہوا دیکھتے تو خدا تعالیٰ کی طرف عجز و نیاز سے متوجّہ ہو کر عرض کرتے کہ اے میرے کارساز معبود سب لوگ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کی تلاش میں پھر رہے ہیں، مَیں بھی اپنی حاجت لے کر تیرے دروازے پر حاضر ہُوا ہوں۔ میری بس ایک ہی حاجت ہے اُس کو پُورا فرما دے۔ وہ یہ کہ میری مغفرت ہو جائے ایسے مشتاقانِ جمالِ حقیقی کو موت سے کیوں کراہت ہوتی۔ وہ تو سمجھتے ہیں کہ

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ	موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

انتقال کا وقت ہُوا تو بار بار یہ دُعا پڑھتے تھے اور اسی پر خاتمہ ہو گیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ مِنْ تَقْصِیْرِیْ وَتَفْرِیْطِیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ مِنْ جَمِیْعِ ذُنُوْبِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ	یا الٰہی تیری طاعت و عبادت میں مجھ سے جو تقصیر اور کوتاہی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

---

[1] فوائد الفواد ص: ۱۹۲

بَزمِ قارئین

عزیزم مولوی سید محمود میاں صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

اس سے قبل ایک خط روانہ کرچکا ہوں، شاید مل گیا ہو۔ اس کے بعد ماہ ستمبر ۹۳ء انوارِ مدینہ ملا، جو جلد ۱ کا بارھواں شمارہ ہے۔ گویا آپ کی زیرِ نگرانی جاری ہوئے رسالہ کو ایک سال ہوگیا۔ خیال آیا، آپ کو مبارک باد پیش کروں کہ آپ کی زیرِ نگرانی کامیابی سے رسالہ کا ایک سال مکمّل ہوگیا۔ میری دُعا ہے، اللہ تعالیٰ جامعہ مدنیہ کے اس ترجمان اور حضرت مولانا سیّد حامد میاں نوراللہ مرقدہٗ کو آپ کی سرپرستی میں اسی طرح جاری رکھے اور خدمتِ دین کا یہ سلسلہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔ آمین

نیز سہ ماہی امتحان کی رپورٹ پڑھ کر سکونِ قلب حاصل ہوا۔ رپورٹ پر ممتحن حضرات کی آراء سے بڑی مسرّت ہوئی۔ اگر اس خاموش طریقہ پہ جامعہ میں سلسلہ تعلیم جاری رہے تو انشاءاللہ اس سے بھی زیادہ کامیابی ہوگی۔

میری طرف سے مولوی سیّد رشید میاں اور آپ دونوں مبارکباد قبول فرمائیں، کیونکہ وہ مہتمم اور آپ نائب مہتمم ہیں۔ باقی خیریت ہے۔ دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔

والسلام: قاری شریف احمد غفرلہٗ

قبلہ محترم مولانا محمود میاں صاحب

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ سے آپ سب کی خیریت کی اُمید اور دُعا ہے۔

"انوارِ مدینہ" موصول ہُوا۔ پڑھ کر خوشی ہُوئی اور اپنی جانب تاخیر سے اجراء پر افسوس ہُوا۔ رسالہ تقریباً ایک نشست پر پڑھ لیا۔ پڑھتے ہُوئے چند خیالات آئے جنہیں مشورے کی صورت میں سُپردِ قلم کرتے ہُوئے آپ کو ارسال کر رہا ہوں۔

دو یا تین مضامین میں سلسلہ کلام ٹوٹتا ہے کہ بقیہ صفحہ فلاں پر۔ یہ تردد قاری پر گراں گزرتا ہوگا، کیونکہ مجھ پر گزرا۔ اخبار میں بالعموم اس طرح کی مشق ہوتی ہے، کیونکہ صفحہ اوّل پر زیادہ سے زیادہ خبریں دینا ہوتی ہیں اور ان سب کے لیے گنجائش نکالنے کے لیے مختصر خبر صفحہ اوّل پر اور باقی متن کسی اور جگہ۔ رسالے میں یہ صورت نہیں ہے۔ رسالہ میں سلسلہ مضمون مسلسل چلتا رہے اور جہاں ختم ہو اس کے بعد ذرا جگہ چھوڑ کر حاشیہ وغیرہ دے کر نیا مضمون شروع کر دیا جائے۔ اس طرح قاری چند سطروں کے لیے آگے جانے سے بچ جائے گا، ویسے بھی صرف چند سطریں کتابت کے ذریعے اُسی صفحہ پر لائی جا سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ صرف میرا احساس ہو۔ اللہ کرے یہ خُوب سے خُوب تر ہو۔ آمین ثم آمین۔ حضرت مولانا رشید میاں صاحب کی خدمت میں سلام عرض۔

والسّلام آپ کا مخلص سیّد وسیم زیدی۔

محترم زیدی صاحب، سلام مسنون!

رسالہ ایک ہی نشست میں پڑھنا آپ کی رسالہ سے انسیت کی علامت ہے اور ہمارے لیے خوشی کا باعث، آپ نے جو مشورہ دیا ہے ہمیں بھی اس کا احساس ہے، لیکن کچھ فنی وجوہات اس میں حائل ہیں۔ پھر بھی ہم حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ ایسا کم سے کم ہو تاکہ قارئین پر کسی قسم کی گرانی نہ ہو۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی ہمیں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہیں گے۔

والسّلام

(ادارہ)